ماہنامہ مجلّہ

# حیاتِ نو

بلریاگنج

**اجتماعی**

زندگی میں سب سے کم
اہم لفظ "**میں**" ہے اور سب سے زیادہ
اہم لفظ "**آپ**"۔
(وحید الدین خان)

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلّہ

# حیاتِ نو

بلریا گنج

| شمارہ ۷، ۸ | ربیع الثانی وجمادی الاولی ۱۴۲۱ھ<br>جولائی واگست ۲۰۰۰ء | جلد نمبر ۱۶ |
|---|---|---|

| معاون مدیر | مدیر | مدیر مسئول |
|---|---|---|
| انیس احمد فلاحی مدنی | عبد البر اثری فلاحی | نور محمد فلاحیؒ |

★ سالانہ زر تعاون : ۵۰ روپے
★ خصوصی زر تعاون : ۱۰۰ روپے
★ بیرون ملک : ۲۵/ امریکی ڈالر

★ طلبہ کے لیے : ۴۰ روپے
★ اعزازی زر تعاون : ۱۰۰۰ روپے
★ قیمت فی شمارہ : ۸ روپے

◯ اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے لہٰذا جلد از جلد سالانہ زر تعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

**ترسیل زر کا پتہ**

ماہنامہ مجلہ حیات نو، جامعۃ الفلاح

بلریا گنج، اعظم گڑھ (یوپی) ۲۷۶۱۲۱

✆ : 05466-25115

# نقوش حیات نو


| | | |
|---|---|---|
| **اداریہ** | | |
| زبان کی حفاظت | انیس احمد فلاحی | ۳ |
| **پیام رسالت** | | |
| حسن نیت | ولی اللہ مجید قاسمی | ۵ |
| **سیر و سوانح** | | |
| مولانا نور محمد فلاحیؒ | عبد البر اثری فلاحی | ۹ |
| علامہ ناصر الدین البانیؒ | فلک ظہیر | ۱۹ |
| مولانا داؤد اکبر اصلاحیؒ | محمد عارف عمری | ۲۷ |
| **بحث و نظر** | | |
| اقامت کے وقت قیام کا مسئلہ | ولی اللہ مجید قاسمی | ۳۵ |
| لحن العامہ ابوبکر زبیدی پر ایک نظر نئے مخطوط کی روشنی میں | غطریف شہباز ندوی | ۴۳ |
| **مذاہب عالم** | | |
| ہندو دھرم | انیس احمد فلاحی | ۴۹ |
| **فقہ و فتاوی** | | |
| قبر پر مٹی برابر کرنے کے بعد پانی کا چھڑکاؤ | ابوارقم فلاحی | ۵۷ |
| ولیمہ کا حکم | | |
| کنواری بالغ لڑکی کی اجازت کے بغیر اس کی شادی کرنے کا حکم | | |
| **تعارف و تبصرہ** | | |
| مجربات تکمیلی | افتخار الحسن ندوی | ۵۸ |
| **شعر و نغمہ** | | |
| دعا | عطا عابدی | ۴۸ |
| نعت | ابواحمد مطیع اللہ فلاحی | ٦٠ |
| غزل | ریاض قاصد | ۲٦ |
| **جامعہ کے لیل و نہار** | | |
| مولانا رضوان احمد فلاحی کا توسیعی خطاب | ادارہ | ٦١ |
| مولانا امانت اللہ صاحب اصلاحی کی تذکیر | | ٦٢ |
| نو واردان بساط چمن | | ٦٢ |
| توسیع مسجد کا تکمیلی مرحلہ | | ٦٣ |
| اظہار تعزیت | | ٦۴ |




اداریہ

## زبان کی حفاظت

انیس احمد فلاحی

زبان اللہ کا وہ عظیم عطیہ ہے جو انسانیت کا امتیاز بھی ہے اور اس کے ارادوں اور آرزوؤں کے اظہار و بیان کا ذریعہ بھی اور فکری نتائج و تجارب کے باہمی تبادلے کا اہم ترین وسیلہ بھی۔ زبان ہی انسان کے باہمی تعلقات کا ابتدائی زینہ ہے اور یہی اس کے اندرون کا سرنامہ اور آئینہ بھی۔ اس لیے جب تک انسان زبان نہیں کھولتا اس کی شخصیت پر پردہ پڑا رہتا ہے:

تا مرد سخن نہ گفتہ باشد — عیب و ہنرش نہفتہ باشد

انسان کی ملفوف شخصیت کا عنوان اور اس کی کتاب اندرون کا دیباچہ ہونے کی حیثیت سے زبان کی اہمیت و افادیت بڑی ہمہ جہت ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ جو چیز جتنی قیمتی ہوتی ہے اس کی اتنی ہی حفاظت کرنی پڑتی ہے چنانچہ زبان کی ذرا سی بے احتیاطی سے قوم و سماج کے تعلقات بگڑ جاتے ہیں اجتماعیت کی بنیادیں ہل جاتی ہیں اور افراد کے درمیان نفرت و عداوت کی خلیج حائل ہو جاتی ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ قدرت نے اسے دو ہونٹوں کے درمیان محفوظ کر کے رکھا ہے کہ دیکھو زبان بڑی قیمتی شے ہے اس کے استعمال میں کوئی بے احتیاطی اور بے پروائی راہ نہ پائے۔ یہ ایک شمشیر جوہر دار ہے اس وجہ سے قدرت نے اس کو میان میں چھپا کر پکڑوایا ہے تاکہ انسان اس کو وہیں میان سے باہر نکالے جہاں وہ ضرورت پیش آئے جس کے لیے قدرت نے اسے بنایا ہے۔ لیکن عجیب بد قسمتی ہے کہ بالعموم لوگ اس سے اصل کام لینے کے بجائے گھاس کاٹنے کی درانتی کا کام لیتے ہیں اور اس کے ذریعہ اپنے سماج کو جہنم بنا دیتے ہیں اور اپنی آخرت بھی برباد کر لیتے ہیں۔

یاد رکھئے زبان کی حفاظت کی ضمانت پر اللہ کے رسول ﷺ نے جنت کی ضمانت لی ہے اور زبان کی بے احتیاطی اور اسکے استعمال میں لاپروائی آپ کی عاقبت کو برباد کر دینے والی شئ ہے۔ ایک حدیث میں ہے۔

"قال رسول الله ﷺ لمعاذؓ "ألا اخبرك برأس الأمرو عمود و ذروة سنامه ،قلت :بلىٰ يا رسول الله .قال :رأس الأمر الإسلام وعموده الصلوة وذروة سنامه

الجهاد فى سبيل الله .ثم قال :ﷺ :ألا اخبرك بملاك ذلك كله.قلت :بلى يارسول الله :فأخذ بلسانه وقال :كف عليك هذا :قلت يا رسول الله ﷺ وإنا لمؤاخذون بما نتكلم به .فقال :ثكلتك أمك يا معاذ :وهل يكب الناس فى النار على وجوههم أو قال على مناخرهم إلا حصائد السنتهم"

معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا میں تمہیں معاملہ کی اساس اور اس کے ستون اور اس کی عظمت وبلندی کے راز کو نہ بتاؤں۔ تو میں نے کہا ضرور بتائیں تو آپ ﷺ نے جواب دیا ہر معاملہ کی اساس اسلام ہے، نماز اس کا ستون ہے اور اس کی عظمت و سربلندی کا راز جہاد فی سبیل اللہ میں پوشیدہ ہے۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ جانتے ہو ان تمام چیزوں کی بقا کس میں ہے، میں نے کہا نہیں آپ ﷺ بتائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا اپنی زبان کی حفاظت کرو تو میں نے پوچھا کہ اے رسول خدا ﷺ کیا ہم سے ہمارے اقوال کا بھی حساب و مواخذہ ہوگا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے معاذؓ، لوگوں کو منہ کے بل جہنم میں ڈالنے والی چیز زبان کے ذریعہ بوئی گئی فصل کے ثمرات ونتائج ہی ہوں گے۔

لہٰذا زبان کے استعمال میں حد درجہ احتیاط کی ضرورت ہے زبان کو لاحق ہونے والی وہ عظیم آفتیں (جن سے قوم وملت کا شیرازہ بکھر جاتا ہے اور باہمی الفت و محبت ختم ہو جاتی ہے) جیسے جھوٹ، جھوٹی خبروں کی اشاعت، غیبت، چغلخوری، جھوٹی گواہی، لوگوں کا استہزاء و تمسخر وغیرہ سے زبان کو محفوظ رکھنا آخرت کی جواب دہی کے احساس کے بغیر ممکن نہیں، اس لیے یہ بات ہمیشہ ذہن میں مستحضر رکھیے کہ آپ خواہ بھلی بات کہیں یا کسی کو گالی دیں، حق کی تبلیغ کریں یا غیبت کریں، اپنی زبان کو سچائی کا پیغام پہنچانے کے لیے استعمال کریں یا شیطان کے مبلغ بن جائیں، ہر حال میں ایک کائناتی نظام کے تحت آپ کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کا مکمل ریکارڈ تیار کیا جا رہا ہے: ﴿مایلفظ من قول إلا لديه رقيب عتيد﴾ اور یہ ریکارڈ آخرت کی عدالت میں حساب کے لیے ضرور پیش ہوگا۔ ●



پیام رسالت

# حسن نیت

ولی اللہ مجید قاسمی

إن الله لا ينظر إلى اجساد كم ولا إلى صوركم ولكن ينظر إلى قلوبكم.

(صحيح مسلم باب تحريم ظلم المسلم وخذله واحتقاره)

اللہ تمہارے جسموں اور صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں پر نظر رکھتا ہے۔

انسان جو کام انجام دیتا ہے اسکی دو حیثیت ہے ایک مادی جس کا تعلق ہمارے ظاہری اعضاء سے ہے، دوسری روحانی جس کا تعلق دل سے ہے، اور کسی کام میں وقعت اور برکت اسی روحانی پیکر کے حسن وقبح اور قوت وضعف کی بنیاد پر ہوتی ہے، جسم سے صادر ہونے والے اعمال خواہ کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں اگر اس سے ریاو نمود، دکھاوا اور طلب شہرت، حصول منفعت مقصود ہو تو وہ باعث عذاب بن جاتا ہے کیوں کہ اللہ کی نگاہ میں اصل حیثیت اسی ارادے اور قصد کا ہے اور اسی پر ثواب وعذاب ملتا ہے۔

اسلام کا یہ امتیازی وصف ہے کہ وہ کسی چیز کا مدار صرف ظاہر پر نہیں رکھتا بلکہ اس کی نگاہ میں اصل حیثیت باطن کی ہے، یہاں محض صورت کی خوش نمائی مطلوب نہیں ہے بلکہ حسن سیرت کا تقاضا کیا جاتا ہے۔ جسم سنوارنے کی جگہ روح کے سنگار پر توجہ رکھی جاتی ہے اور اسی اندرون کی کیفیت کے اعتبار سے اجر وثواب ملتا ہے اور اس میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ محض نیت پر ثواب لکھ دیا جاتا ہے گرچہ عمل کی نوبت نہ آئے چنانچہ ایک حدیث قدسی میں ہے:

إن الله كتب الحسنات والسيئات ثم بين ذلک فمن هم بحسنة فلم يعملها كتبها الله تبارك و تعالى عنده حسنة كاملة و إن هم بها فعملها كتبه الله عشر حسنات إلى سبعمائة ضعف إلى اضعاف كثيرة وإن هم بسيئة فلم يعملها كتبها الله عنده حسنة كاملة وإن هم بها فعملها كتبها الله سيئة واحدة

(صحيح بخاری ومسلم .رياض الصالحين ۲۳)

اللہ تبارک وتعالی نے اچھائیاں اور برائیاں لکھ دی ہیں اور پھر ان کو بیان کر دیا ہے تو جس شخص نے کسی نیکی کا ارادہ کیا مگر اس پر عمل نہ کر سکا (تو اس ارادہ کی وجہ سے) اللہ اپنے یہاں ایک نیکی لکھ لے گا اور اگر اس نے کسی نیکی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل بھی کیا تو اللہ تعالی اسے اپنے پاس دس نیکی سے لیکر سات سو نیکی تک بلکہ اس سے بھی کئی گنا زیادہ لکھے گا اور اگر کسی برائی کا ارادہ کیا (لیکن اللہ کے خوف کی وجہ سے) اس پر عمل نہیں کیا تو اس کے لیے ایک نیکی لکھی جائے گی اور اگر برائی کا ارادہ کر کے اس پر عمل بھی کر لے تو اللہ تعالی اس کے نامہ اعمال میں محض ایک برائی لکھیں گے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ

من اتى فراشه وهو ينوى ان يقوم فغلبته عينه حتى اصبح كتب له ما نوى وكان نومه صدقة عليه من ربه (سنن نسائی و ابن ماجه بإسناد صحيح على شرط مسلم شرح مهذب ۴۶/۴)

جو کوئی رات میں نماز پڑھنے کی نیت کر کے سوئے پھر اس کی آنکھیں نہ کھلیں یہاں تک کہ نماز فجر کا وقت آگیا تو اس کے لیے وہی لکھا جائے گا جس کی اس نے نیت کی ہے اور اس کی نیند اللہ کی طرف سے صدقہ ہے۔

یہ دونوں حدیثیں اللہ تبارک وتعالی کے قانون فضل اور عدل کو واضح کرتی ہیں۔ اس کی عدالت سے کسی مجرم اور گناہ گار کو ارادہ جرم پر کوئی سزا نہیں دی جاتی ہے بلکہ اگر بندہ اس کے خوف و خشیت کی وجہ سے اس ارادہ سے بعض آجائے تو اسے انعام سے نوازا جاتا ہے اور اگر کوئی جرم سرزد ہو جائے تو ایک جرم پر ایک ہی سزا ہے اس میں کوئی زیادتی نہیں ہے، اور اس کا قانون فضل یہ ہے کہ وہ اچھے کام کی محض نیت پر اجر عطا فرماتا ہے اور اگر قصد وارادہ عملی شکل میں آجائے تو پھر رحمتوں کی بارش ہونے لگتی ہے اور کسی نیک کام پر کم از کم دس گنا ثواب ملتا ہے، لہذا کسی نیک کام کے ارادہ میں بخل سے کام نہیں لینا چاہیئے۔ نیز ایک حدیث میں ہے کہ :



إنما الدنيا لأربعة نفر عبد رزقه الله مالاً و علماً فهو يتقى فيه ربه و يصل فيه رحمه ويعلم الله فيه حقاً فهذا بأفضل المنازل وعبد رزقه الله علماً ولم يرزقه مالاً فهو صادق النية يقول لو أنّ لى مالاً لعملت بعمل فلان فهو بنيته فأجرهما سواء وعبد رزقه الله مالاً ولم يرزقه علماً يخبط فى ماله بغير علم ولا يتقى فيه ربه ولا يصل فيه رحمه ولا يعلم الله فيه حقًا فهذا بأخبث المنازل و عبد لم يرزقه مالاً ولا علماً فهو يقول لو أن لى مالاً لعملت فيه بعمل فلان فهو بنيته فوزرهما سواء (مسند احمد ،سنن ابن ماجه،جامع ترمذي واللفظ له وقال حديث حسن صحيح . الترغيب للمنذرى ۲۷/۱)

دنیا چار طرح کے لوگوں کے لیے ہے ایک وہ بندہ جسے اللہ نے مال و دولت اور علم سے نوازا اور وہ اس کے سلسلے میں اللہ سے ڈرتا ہو اور اس کے ذریعہ سے صلہ رحمی کرتا ہو اور جانتا ہے کہ اس میں اللہ کا بھی حق ہے اس شخص کا مرتبہ سب سے بڑا ہے، دوسرا وہ ہے جسے اللہ نے علم دیا ہو لیکن مال سے محروم ہے اور وہ نیت کا سچا ہے وہ صدق نیت کے ساتھ کہتا ہے کہ اگر اللہ مجھے بھی مال سے نوازتا تو میں بھی اسی کی طرح کام انجام دیتا تو اس شخص کو نیت کے مطابق اجر ملے گا اور دونوں ثواب کے اعتبار سے برابر ہوں گے، تیسرا وہ شخص ہے جو مالدار ہو لیکن دولت علم سے محروم ہو تو وہ اپنا مال بے سمجھے بوجھے خرچ کرتا ہو اس کے سلسلے میں اللہ سے ڈرتا ہو اور نہ اس کے ذریعہ صلہ رحمی کرتا ہو اور یہ بھی نہ جانتا ہو کہ اس میں اللہ کا بھی کوئی حق ہے یہ سب سے نچلے اور بدتر درجے والا ہے، چوتھا وہ شخص ہے جسے اللہ نے نہ مال دیا ہو اور نہ علم اور وہ کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں فلاں کی طرح (تیسرے شخص کی طرح) کام کرتا اس شخص کو اس کی نیت پر عذاب دیا جائے گا اور دونوں کا عذاب برابر ہوگا۔

اس حدیث میں نیت اور ارادہ معصیت پر سزا کا تذکرہ ہے جبکہ گذشتہ حدیث میں گناہ کے

ارادہ پر سزا نہ ہونے کا ذکر ہے۔ ان دونوں روایتوں کے درمیان موافقت پیدا کرتے ہوئے شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ پہلی حدیث میں محض ارادہ مراد ہے کہ اگر خیر کا محض ارادہ بن جائے تو اس پر اجر ملے گا اور معصیت کا ارادہ ہو تو اس پر کوئی سزا نہیں ہے لیکن ارادہ عزم کی شکل اختیار کر لے، اس میں اس درجہ پختگی اور قوت ہو کہ معصیت کے اسباب مہیا ہوں اور کوئی رکاوٹ نہ ہو تو اس کام کو کر گزرے مگر اسباب مہیا نہ ہونے کی بنیاد پر اور رکاوٹ ہونے کی وجہ سے وہ مجبور ہے تو ایسے حتمی ارادے پر گناہ ملے گا دوسری حدیث میں ایسی ہی نیت اور ارادہ مراد ہے لہٰذا دونوں میں کوئی اختلاف اور ٹکراو نہیں ہے

واضح رہے کہ جن افعال کا تعلق دل سے ہے جیسے حسد، کبر، ریاء وغیرہ اگر وہ دل ہی تک محدود رہیں جب بھی لائق مؤاخذہ ہیں گرچہ ظاہری اعضاء سے ان کا ظہور نہ ہو، ان احادیث میں نیک اور بداعمال کی نیتوں کا تذکرہ ہے، دل کی صفات اور افعال کا بیان نہیں ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے شرح طیبی ۲/ ۵۱۷، مرقات ۱/ ۱۱۳ اور ۵/ ۸۰)

ان احادیث سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ کسی بھی کام کی صحت اور اللہ کے نزدیک مقبولیت کے لیے حسن نیت کا ہونا ضروری ہے، یہی وہ ذریعہ ہے جس کے ذریعہ عادت اور دنیاوی کام بھی عبادت بن جاتا ہے، لہٰذا ہر کام میں حسن نیت کا اہتمام کرنا چاہیے اور کسی اچھے کام کے مقصد و ارادہ میں خلل سے کام نہیں لینا چاہئے، خواہ اس کام کے کرنے کا موقع ملے یا نہ ملے، نیز کسی معصیت کا خیال دل میں آجائے تو اس پر ہرگز نہ عمل کیا جائے کہ اس طرح سے برا ارادہ بھی نیکی میں شمار ہوگا، تاہم برائی کا ارادہ قطعی اور حتمی ہو جائے تو وہ غضب خداوندی کا ذریعہ ہے اس لیے اس حد تک جانے سے بچنا ضروری ہے۔

یہاں پر یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ حسن نیت کی وجہ سے طاعت و عبادت، جائز و مباح کام بھی باعث اجر و ثواب بنتا ہے، معصیت اور گناہ کا کام اچھی نیت کی وجہ سے اچھا نہیں ہو سکتا ہے جیسے کوئی شخص سودی کاروبار اس ارادہ سے کرتا ہے کہ اس سے فاضل شدہ پونجی کو غریبوں اور فقیروں میں تقسیم کرے گا تو اس اچھی نیت کی وجہ سے یہ کام اچھا نہیں ہو سکتا ہے۔ *



سیر و سوانح

# مولانا نور محمد فلاحیؒ

## اک پھول تھا جو سارے گلستاں میں انتخاب

عبدالبر اثری فلاحی

جامعۃ الفلاح کے بے لوث خادم، انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کی جان، حیات نو کے بے بدل مدیر مسئول، طلبہ کے مسیحا، اساتذہ میں ہر دلعزیز، لوگوں کے امین و غمگسار اور میرے محسن و مربی مولانا نور محمد صاحب فلاحی ۱۰/ فروری ۲۰۰۰ء کو اللہ کو پیارے ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون لیکن دل و دماغ کو یقین نہیں آرہا کہ ایسا ہو گیا کیوں کہ مولانا طبعاً ابھی عمر کے اس مرحلے کو نہیں پہنچے تھے کہ دست قضا اچک لے، محض ۴۸ سال عمر تھی خصوصاً جنھوں نے مولانا کو شروع سے دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ مولانا انتہائی صحت مند تھے بسا اوقات طلبہ اپنی نفسیات کے لحاظ سے حسرت کرتے کہ مولانا کو کوئی عارضہ لاحق نہیں ہوتا تا کہ ہمیں مولانا کے کچھ خالی پیریڈ تفریح کے لیے مل جائیں۔ لیکن اچانک ۱۹۹۶ء میں بیماری کا ایسا شدید حملہ ہوا کہ اس سے جانبر نہ ہو سکے۔ بمبئی، دہلی وغیرہ کے اہم اسپتالوں میں زیر علاج رہے لیکن وقتی افاقے سے بات آگے نہیں بڑھی عموماً ڈاکٹروں کی تشخیص یہ رہتی کہ دماغ کی کوئی نس سوکھ رہی ہے۔ علاج سے کچھ افاقہ محسوس ہوتا لیکن پھر مرض لوٹ آتا اور یہی سلسلہ آخری وقت تک چلتا رہا حتی کہ آخری لمحات میں مرض نے اور شدت اختیار کر لی تھی اور قوت گویائی جاتی رہی تھی ایسی شدید آزمائش شاید اللہ اپنے بندے کو گناہوں سے دھل کر اپنے پاس بلانا چاہتا تھا تاکہ اپنے حضور پہنچنے پر "فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی" کا مژدہ سنائے۔

آپ زمین رسول پور اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے۔ ۱۰/ ستمبر ۱۹۵۲ء کو پیدا ہوئے تھے والد کا نام عبدالجبار اور والدہ کا نام زہرہ خاتون ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب "مدرسۃ النجاح" میں حاصل کی تھی جسے گاؤں کی بزرگ شخصیت جناب شمس الحق صاحب نے ۱۹۵۵ء میں قائم کیا تھا آپ شروع ہی سے ہونہار طالب علموں میں تھے چنانچہ ایک موقع سے مولانا ابوبکر صاحب اصلاحیؒ۔ جو اس وقت اس علاقہ کے جماعت اسلامی کے ذمہ دار تھے اور مکتب کے پروگرام میں مہمان خصوصی کی

حیثیت سے شریک تھے۔ نے آپ کو آپ کی امتیازی کامیابی اور بہترین کارکردگی پر اپنا قلم بطور انعام دیا تھا ۔آپ کے ابتدائی اساتذہ میں ماسٹر وکیل احمد صاحب کا نام خاص طور سے ملتا ہے۔اعلی تعلیم کے حصول کے لیے آپ نے جامعۃ الفلاح کا رخ کیا اور اس کے لیے کافی زحمتیں اٹھائیں۔ جامعۃ الفلاح آپ کے گاؤں سے تقریباً آٹھ کلو میٹر کے فاصلے پر ہے اس وقت آمدورفت کی سہولیات نہیں تھیں۔روزانہ سائیکل سے آپ آتے جاتے بسا اوقات پیدل ہی یہ فاصلہ طے کرنا پڑتا۔ایک دفعہ تو ایسا ہوا کہ فصل تیار تھی لیکن کاٹنے کے لیے مزدور نہیں مل رہے تھے تو آپ کے والد صاحب سیدھے جامعۃ الفلاح پہنچے اور کہا" اب تمہیں نہیں پڑھنا ہے۔ چلو گھر چلو کھیتی کا کام کون دیکھے گا" آپ انتہائی ملول اور دل گرفتہ ہوئے ، آپ کو پڑھنے کا بہت شوق تھا چنانچہ مولانا عبدالحسیب صاحب اصلاحی نے ان کے والد صاحب کو سمجھایا کہ "اگر نور محمد آپ کے گھر اور کھیتی باڑی کا کام بھی کرے اور اسے پورا کرنے کے بعد پڑھنے بھی آیا کرے تو کیا حرج ہے" بہر حال ان کے والد صاحب کو یہ بات سمجھ میں آگئی اور انھوں نے تعلیم نہیں چھڑوائی۔ مولانا عبدالحسیب صاحب اصلاحی نے خود مولانا نور محمد صاحب کو بھی دلاسہ دیا اور ہر طرح کے تعاون کی یقین دہانی کرائی اس طرح آپ کو گھر اور کھیتی باڑی کا کام بھی دیکھنا اور کرنا پڑتا تھا، آنے جانے کی زحمت بھی اٹھانی پڑتی تھی اور اسی کے ساتھ تعلیمی سرگرمیاں بھی انجام دینی پڑتی تھیں ۔بہر حال آپ نے صبر و ہمت کے ساتھ تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اور ۱۹۷۰ء میں جامعۃ الفلاح سے سند فضیلت حاصل کی اور فرسٹ ڈویژن سے کامیاب رہے تھے۔بعد میں آپ نے جامعہ اردو علی گڑھ سے ادیب اور ادیب ماہر کا امتحان بھی پاس کیا۔ ۲۷/ ۸/ ۱۴۰۶ھ تا ۱۷/ ۱۰/ ۱۴۰۶ھ مرکزی دارالعلوم جامعہ سلفیہ بنارس میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی جانب سے منعقدہ "دورہ تدریبیہ" (لتعلیم اللغة العربية والثقافة الاسلامية )میں شریک ہوئے اور امتیازی نمبرات سے کامیابی حاصل کی۔ آپ کو بیرون ملک بھی تعلیمی استفادہ کا موقع ملا چنانچہ جامعۃ الملک سعود الریاض سے ٹیچرس ٹریننگ کورس بھی مکمل کیا تھا جو بالخصوص عجمیوں (لغير الناطقين بها) کو عربی سکھانے کی ٹریننگ پر مشتمل تھا اور ۲۴/ ستمبر ۱۹۸۸ء تا ۲۱/ جنوری ۱۹۸۹ء تک چلا تھا۔ جامعۃ الفلاح سے فراغت کے بعد اساتذہ و جامعہ کے ذمہ داران کی ایماء پر تدریسی خدمت انجام دینے کے لیے چھندوارہ مدھیہ پردیش تشریف لے گئے لیکن جلد ہی مادر علمی نے اپنے اس سپوت کو اپنی خدمت کے لیے چن لیا اور یکم جنوری ۱۹۷۲ء



سے تاحیات اسی سے وابستہ رہے اور مختلف النوع خدمات انجام دیتے رہے حالانکہ اس دوران آپ کو اندرون ملک اور بیرون ملک ہر جگہ سے احباب نے مختلف کاموں کے لیے مختلف پیشکشیں کیں لیکن ہمیشہ آپ نے مادر علمی جامعۃ الفلاح کو ترجیح دیا اور اس کا دامن چھوڑنا کبھی گوارہ نہیں کیا۔ یوں تو آپ بحیثیت استاد تھے لیکن جو بھی خدمت چاہی جاتی کبھی آپ اس سے دریغ نہیں کرتے خواہ وہ جامعہ کے انتظامی امور ہوں یا جامعہ کی سفارت ہو ہر کام کے لیے ہمہ آن تیار رہتے۔ اندرون ملک اور بیرون ملک نہ جانے اس سلسلے میں آپ نے کتنے سفر کیے اور کتنی زحمتیں اٹھائیں۔ جامعہ پر جب بھی برا وقت آتا بے چین ہو جاتے بعض سنگین مواقع پر تو خود میں نے گھنٹوں آنسو بہاتے دیکھا ہے مولانا کے اس خلوص کو ہر ایک محسوس کرتا تھا چنانچہ باہم گفتگو کے دوران ایک موقع سے جامعہ کے ایک قدیم استاد نے ایک دوسرے استاد سے دریافت کیا کہ "جامعہ میں سب سے مخلص استاد کون ہے ؟" تو ان کا برجستہ جواب تھا "مولانا نور محمد صاحب فلاحی"

آپ نے جامعہ میں ابتدائی درجات سے تدریسی خدمات کا آغاز کیا تھا لیکن جلد ہی شعبہ اعلی میں منتقل کر دیے گئے تھے۔ عربی ادب وانشا آپ کا خصوصی مضمون تھا اگرچہ قرآن مجید وغیرہ بھی آپ کے زیر درس رہا "کلیلہ دمنہ" اس مہارت سے آپ پڑھاتے تھے کہ اس کی نظیر مشکل ہی سے مل سکے گی۔ طلبہ کو جب تک اطمینان نہ ہوتا آپ درس ہرگز آگے نہیں بڑھاتے تھے۔ فاضل اوقات میں کبھی درس دینا چاہتے تھے تو طلبہ فوراً تیار ہو جاتے، طلبہ آپ کے حسن سلوک سے اس قدر متاثر ہوتے تھے کہ آپ کا گرویدہ ہوئے بغیر نہ رہ پاتے قابل رشک حد تک آپ طلبہ کے درمیان محبوب اور چہیتے تھے خواہ ذہین اور محنتی طلبہ ہوں یا کمزور اور شرارتی طلبہ ہر ایک آپ کا یکساں احترام کرتا آپ کو یہ محبوبیت اور ہر دلعزیزی یوں ہی نہیں حاصل تھی بلکہ جہاں طلبہ آپ کے خلوص اور محنت سے متاثر ہوتے وہیں آپ کی شفقت اور طلبہ کی ضروریات کا خیال اور امداد و تعاون بھی اپنا رنگ دکھاتا۔ بطور شہادت آپ کے ایک شاگرد کے ایک خط کا اقتباس نقل کرنے کو جی چاہ رہا ہے جو اتفاق سے میرے ہاتھ لگ گیا ہے۔

" میرے مشفق استاد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

عرض تحریر یہ ہے کہ اس سے قبل آپ کے پاس گاہے بگاہے خط لکھتا رہا لیکن جواب سے محرومی رہی جس سے پتہ چلتا ہے کہ شاید آپ ہم سے ناراض ہیں میرے مہربان استاد جس کی وجہ۔۔اور آپ کے جو احسانات میرے اوپر ہیں اس کو سوچتے ہیں تو دل منہ کو آنے لگتا ہے اور گھنٹوں غم والم کے دریا میں ہچکولے کھاتے رہتے ہیں، پر گوناگوں مجبوریوں کے سبب کہ آپ کے خدمت میں حاضر ہونے سے قاصر رہ جاتا ہوں فی الوقت آپ لوگوں کی دعا سے ۔۔۔۔۔۔۔بحیثیت مدرس ونگراں ۔۔۔۔۔کام کر رہا ہوں آئندہ خدا حافظ ہے۔

دیگر تحریر یہ ہے کہ آپ کی ذات سے ہم کبھی ناامید نہیں ہوئے انشاء اللہ مجھے امید ہے کہ اس خط کا جواب مختصر ہی سہی دیکر شکریہ کا موقع دیں گے۔

اساتذہ سے سلام علیک عرض کر دیجیے گا، زیادہ کیا لکھوں بقیہ عند الملاقاۃ

فقط والسلام

آپ کا شاگرد

خود میں نے جب جامعۃ الفلاح میں قدم رکھا تھا تو میرے سب سے پہلے استاد آپ ہی تھے ، ۱۹۷۶ء کی بات ہے عم محترم مولانا رحمۃ اللہ اثری صاحب فلاحی مدنی تعلیم کی غرض سے درمیان سال میں مجھے جامعۃ الفلاح لائے دوسرے دن ساتھ آفس لے گئے اور مولانا کو میری انگلی پکڑا دی مولانا اس وقت درجہ دوم ابتدائی میں پڑھاتے تھے بغیر کتاب کاپی ہی کے مولانا کے ساتھ میں درجہ میں گیا، والدین سے دور اور اجنبی جگہ ، میں کافی گھبرایا ہوا تھا لیکن مولانا نے وہ دلجوئی کی اور وہ شفقت و محبت دیا کہ اس کی مٹھاس میں آج تک محسوس کرتا ہوں اور خیالات کی دنیا میں کھو جاتا ہوں، آپ کی وہ شفقت برابر قائم رہی حتی کہ بعد میں عم محترم جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو آپ ہی میرے سرپرست رہے۔ تمام مسائل میں آپ ہی سے رجوع کرتا اور آپ انھیں حل فرماتے ،بعد میں بھی یہ سلسلہ مختلف شکلوں میں جاری رہا جنھیں میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ اللہ انھیں اجر جزیل سے نوازے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے آمین۔

گوناگوں صلاحیتوں کی وجہ سے جامعہ کی دوسری ذمہ داریاں بھی آپ کے کاندھوں پر آتی رہیں۔ آپ ناظم امتحان بھی رہے اور آغاز ۱۹۹۵ء میں نگران اعلی بھی بنائے گئے گرچہ مختلف اسباب سے



۱۸ جولائی ۱۹۹۵ء کو آپ نے استعفا دے دیا تھا۔ بہی خواہان جامعہ سے رابطے اور مراسلت کی خدمت بھی وقتاً فوقتاً آپ انجام دیتے تھے۔ جامعہ میں زیر تعلیم یتیم بچوں اور بچیوں کی کفالت کے کاموں کی نگرانی بھی آپ کے ذمہ تھی غرضیکہ جب جو کام آپ کے ذمہ کیا جاتا کبھی آپ انکار نہیں کرتے اور حسب توفیق اپنے آپ کو اس کے لیے کھپا دیتے۔

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کی آپ جان تھے اس کی تعمیر و ترقی اور اس کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں آپ کی جو کاوشیں ہیں انھیں کبھی بھلایا نہیں جا سکتا۔ آپ انجمن کی تاسیس ہی سے اس کی سرگرمیوں سے وابستہ رہے ۱۵ ستمبر ۱۹۷۸ء کو پہلی بار رکن شوری منتخب ہوئے اور ۱۸ نومبر ۱۹۸۱ء کو سکریٹری انجمن بنائے گئے۔ اس کے بعد بیشتر میقاتوں میں آپ ہی انجمن کے سکریٹری رہے صرف ۱۵ فروری ۱۹۸۸ء کو اگلی میقات کے لیے خازن کی حیثیت سے آپ کا انتخاب عمل میں آیا تھا لیکن جلد ہی ۲۳ دسمبر ۱۹۸۹ء کو دوبارہ آپ سکریٹری منتخب کیے گئے اور درمیان میں ایک میقات کو چھوڑ کر گذشتہ سال تک آپ سکریٹری رہے۔ صرف آپ کی شدید علالت کی وجہ سے نئے انتخاب میں نئے سکریٹری کے انتخاب پر ارکان شوری کو مجبور ہونا پڑا اور آپ کا کوئی بدل نہیں تھا۔ نومبر ۱۹۸۲ء میں ہونے والے اجلاس عام کے ناظم بھی رہ چکے ہیں۔ تھوڑے سے وقفہ کو چھوڑ کر ۱۹۸۱ء سے مستقل آپ حیات نو کے مدیر مسئول رہے۔ تحریر و تصنیف کے میدان میں آپ نے بہت زیادہ سرمایہ نہیں چھوڑا ہے کیوں کہ انتظامی معاملات اور دیگر مصروفیات اس کی بہت زیادہ اجازت نہیں دیتی تھیں لیکن پھر بھی آپ وقتاً فوقتاً لکھتے رہتے تھے۔ اور جب لکھتے تھے تو خوب لکھتے تھے۔ مولانا مودودیؒ کے جنازے میں شرکت کے بعد حیات نو کے "مجدد مودودیؒ نمبر" (اکتوبر و نومبر ۱۹۷۹ء) کے لیے آپ نے جو تحریر تیار کی تھی اس سے بخوبی آپ کی صلاحیتوں کا کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کبھی کبھی اداریہ بھی لکھتے تھے۔ جامعہ کے لیل و نہار اور رپورٹیں وغیرہ کو بارہا آپ نے لکھی ہیں۔ حیات نو کے لیے وسائل کی فراہمی اور انتظامات کی درستگی کی لیے آپ نے جو کوششیں کی ہیں اور جو قربانیاں دی ہیں انھیں کا فیض ہے کہ مجلہ اب تک برابر پابندی سے نکل رہا ہے ورنہ بارہا ایسے حالات پیدا ہوئے کہ ہمت جواب دینے لگتی تھی اور اشاعت بند کرنے کے لیے سوچنا پڑتا تھا۔

آپ نے یہ ساری خدمات للہ فی اللہ انجام دیں جب آپ کو مدیر مسئول بنایا گیا تھا تو طے پایا تھا کہ

آپ کو "اکرامیہ" دیا جائے گا لیکن آپ نے کبھی نہیں لیا بلکہ اپنا بہت کچھ اس کی خاطر لگایا اور قربان کیا۔

بچپن ہی سے تحریک اسلامی سے لگاؤ تھا برابر اس کے پروگراموں میں شرکت کرتے رہتے تھے قائدین تحریک مولانا ابواللیث صاحب اصلاحی ندویؒ اور مولانا صدرالدین صاحب اصلاحیؒ سے خصوصی تعلق تھا۔ یہ حضرات بھی آپ کو بہت چاہتے تھے۔ جب بھی جامعہ تشریف لاتے تو سفر کی رفاقت کے لیے عموماً آپ ہی کو ساتھ رکھتے اور آپ بھی ان کی بھرپور خدمت کرتے اور خوب دعائیں لیتے۔ ایک سفر کے دوران امیر جماعت مولانا ابولیث صاحب اصلاحی ندویؒ کو دوران گفتگو جب یہ معلوم ہوا کہ آپ رکن جماعت نہیں ہیں تو انھوں نے تعجب کا اظہار کیا اور پوچھا "آخر تم رکن کیوں نہیں بنے؟" ظاہر ہے کہ کوئی معقول وجہ نہیں تھی، کسی نے تشویق نہیں دلائی تھی اسی لیے نہیں بنے تھے لیکن جب امیر جماعت نے پوچھ دیا تو احساس جاگا کہ بن جانا چاہیے چنانچہ اس کے بعد رکنیت کا فارم بھر دیا اور پھر رکن بن گئے۔ جی جان سے تحریک کے کاموں میں لگ گئے۔ برابر آپ کے تھیلے میں لٹریچر موجود رہتا اور سبھوں کو پڑھنے کے لیے دیتے رہتے حتی کہ غیر مسلموں کے لیے ہندی اور انگریزی لٹریچر بھی رکھتے اور ان میں تقسیم کرتے رہتے۔ گاؤں میں جب قیام رہتا تو خطبے دیتے، درس قرآن وحدیث کا اہتمام رہتا، عشاء بعد احادیث سنانے کا پروگرام بھی چلاتے۔ گاؤں کی ہر مسجد میں بنیادی لٹریچر پر مشتمل لائبریریاں قائم کردی تھیں۔ تاکہ لوگ استفادہ کریں۔ بعد میں امیر مقامی بھی بنائے گئے اور کافی دنوں امیر مقامی رہے۔

گاؤں کے معاملات میں بھی بھرپور دلچسپی لیتے تھے اور ہر ایک آپ کا اور آپ کی رایوں کا احترام کرتا تھا۔ گاؤں کے مکتب "مدرسۃ النجاح" کے بھی ذمہ دار رہے اور اسے ترقی دی، گاؤں کے معتمد علیہ اور امین تھے۔ پتہ نہیں کتنوں کی امانتیں آپ کے پاس رہتی تھیں۔ چونکہ آپ کے گاؤں میں بہت سے لوگ باہر رہتے ہیں اس لیے وہ اپنی رقمیں آپ ہی کے پاس بھجواتے تھے اور رکھتے تھے اور اس معاملے میں کبھی کسی کو کوئی شکایت نہیں رہی۔ مختلف حادثات کے مواقع پر آپ اپنا دست تعاون دراز رکھتے حتی کہ ایک مرتبہ پڑوس کی ہندو آبادی میں آگ لگ گئی تو مدد کے لیے پہنچے اور بلا تفریق بہت کچھ امداد پہنچائی۔ بعض نو مسلموں کے تو آپ مستقل کفیل رہے، بعض نے تو آپ کو باپ کی حیثیت دے رکھی تھی اور اپنے تمام معاملات آپ کے حوالے کردیے تھے۔



آپ کا سب سے امتیازی وصف حسن خلق اور ملنساری تھا جس سے ملتے مسکراتے ہوئے ملتے اور پھولے ہوئے، اپنے پرائے سے ایسا سلوک ہوتا کہ ہر ایک اپنا نقد دل ہار بیٹھتا۔ حضرت عمرؓ کے بیان کے مطابق آدمی معاملات اور سفر میں پرکھا جاتا ہے اور اگر اس میں پورا اترے تو گویا وہ تعریف کا مستحق ہے۔ آپ نے "جامعہ بک سنٹر" کے نام سے کتابوں کی دکان شروع کی تھی جس کا افتتاح مولانا صدرالدین اصلاحیؒ نے کیا تھا اور ان کی دعاؤں کی برکت سے اب تک چل رہی ہے۔ اسی تجارت کے توسط سے برابر سبھوں سے معاملات رہے، نقد بھی اور ادھار بھی لیکن کبھی کسی کو اس حوالے سے شکوہ شکایت کرتے نہیں سنا گیا۔ بعض طلبہ کے یہاں ہزاروں کا بقایا ہو جاتا پھر بھی کبھی کسی پر سختی کرتے نہیں پایا گیا، تجارت عام طور سے لوگوں کو "بنیا صفت" بنادیتی ہے لیکن آپ اس مرض سے بھی کوسوں دور رہے۔ رہے آپ کے ساتھ سفر کرنے والوں کے تاثرات تو اس کے بہت سے نمونے پیش کیے جاسکتے ہیں۔ لیکن صرف ان کے ایک عربی دوست کا تاثر جو اس نے آپ کی ڈائری میں تحریر کردیا تھا، نقل کرنے پر اکتفا کروں گا۔

"احمدالله و اصلی واسلم علی خیر خلقه و بعد

فلقد اتيحت لی بالفرصة للذهاب إلى مكةالمكرمة وكان ممن رافقتهم رجل كريم الاخلاق ،طيب الذكر ،رجل انارت وجهته الطاعة فادبر الشر عنه ذلک هو الصديق نور محمد عبدالجبار ۔اكتب له هذه الكلمات التی ارجوانه تدفعه الی الاستمرار فی طريق الطاعة۔

وختاماً ادعو له جل و علا انه يديم عليه نعمة ظاهرة و باطنة انه ولی ذلک والقادر عليه۔

اخوك

عبدالعزيز سليمان المشعل

۸/۶/۱۴۰۹ھ

معهداللغةالعربيةجامعةالملک سعود

ص ب ۔ ۵۱۰۹۲ الرياض الرمز ۱۱۵۵۴

"مجھے مکہ جانے کا موقع نصیب ہوا رفقائے سفر میں ایک ایسے ہمسفر بھی رہے جو انتہائی بااخلاق اور قابل تعریف ہیں جن کے چہرے سے طاعت وبندگی کا نور ٹپکتا ہے کہ ان سے شر بھی پناہ مانگے وہ میرے عزیز دوست نور محمد عبدالجبار ہیں۔

میں یہ کلمات اس امید پر تحریر کر رہا ہوں کہ یہ انھیں طاعت وبندگی کی راہ میں استمرار پر مزید مہمیز دیں گے اور اخیر میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ان پر ہمیشہ ظاہری وباطنی ہر طرح کی نعمتوں کی بارش کرتا رہے، وہی اصل آقا اور ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔"

عبدالعزیز سلیمان مشعل الریاض"

عام حالات میں حسن سلوک کا مظاہرہ ہر ایک کر سکتا ہے اور کرتا ہے لیکن خود گرفتار بلا ہو عموماً لوگ ایسا کرنے سے قاصر رہتے ہیں آپ کا معاملہ اس طرح کے مواقع پر بھی مختلف ہوتا تھا دو سال قبل جب علاج کے سلسلے میں پنت ہاسپٹل دہلی میں ایڈمٹ تھے تو پاس پڑوس کے مریضوں کی دلجوئی کرنا، ان کو دوا کھلانا، پانی پلانا اور ان کی چھوٹی موٹی ضروریات پوری کر دینا گویا آپ کا مستقل شغل بن گیا تھا بعض مریض تو یہ سمجھ ہی نہیں پاتے تھے کہ آپ خود مریض کی حیثیت سے ایڈمٹ ہیں بلکہ ایک مریض نے تو سمجھا کہ آپ کسی مریض کے خادم کی حیثیت سے یہاں مقیم ہیں چنانچہ اس نے دریافت کیا کہ "آپ کا مریض کون ہے؟ اسے کیا ہو گیا ہے؟ وہ کہاں ہے؟"

آپ کی بڑی خوبی یہ بھی تھی کہ کبھی کسی کو قرض دیتے تو اس کی ادائیگی کا مطالبہ نہیں کرتے جب جسے سہولت ہوتی ادا کرتا، نہ کسی کو معلوم ہونے دیتے کہ فلاں ان کا قرض دار ہے اور نہ قرض خوار کے ساتھ آپ کے رویہ میں کوئی تبدیلی واقع ہوتی۔

للّٰہیت آپ کا دوسرا نمایاں وصف تھا جو کچھ کرتے اس کی رضا پیش نظر رہتی اس لیے کبھی اس کی پرواہ نہیں ہوتی کہ دوسرے آپ کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں بلکہ آپ اپنا فرض سمجھ کر ہر ایک کے حقوق ادا کرنے کے لیے کوشاں رہتے۔ تعلق باللہ کے بھی انتہائی بلند مقام پر تھے۔ نماز کا بڑا اہتمام کرتے تھے بلکہ دوسروں کو بھی نماز باجماعت ادائیگی کی خصوصی تلقین کرتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی وجہ سے آپ کی جمعہ کی نماز چھوٹ گئی تو بیٹھ کر دیر تک روتے رہے کسی قیمت قرار نہ آتا تھا۔

آپ کا تیسرا نمایاں وصف امانت ودیانت تھا، جامعہ، انجمن، جماعت، اہل وطن اور طلبہ سب کی امانتیں آپ کے پاس ہوتی تھیں اور آپ ان کی پوری حفاظت کرتے تھے۔ آپ کے حوالے کر کے ہر ایک بالکل بے فکر ہو جاتا تھا اور کسی قسم کا کوئی خدشہ محسوس نہیں کرتا۔ آپ نے بھی کبھی کسی کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچنے دی چنانچہ آخری ایام میں آپ نے اپنے قریبی رفقاء کو ایک ایک چیز کے بارے میں بتا دیا تھا کہ کون سی چیز کس کی ہے تاکہ ہر ایک کی امانت صاحب حق کو پہنچ جائے۔ مادہ پرستی کے اس دور میں امانت ودیانت کے میزان میں اچھے اچھے ناکام نظر آتے ہیں لیکن آپ کا اس خوبی سے اس سے عہدہ برآ ہونا یقیناً پاک طینتی کی دلیل ہے۔ اور توقع ہے کہ یہی ایک خوبی اللہ کے حضور آپ کی نجات کے لیے کافی ہو جائے گی۔



تواضع وخاکساری آپ کا چوتھا نمایاں وصف تھا تعلّی سے آپ کوسوں دور تھے۔ علمی پندار کبھی نہیں رہا بلکہ علمی امور میں بلا تکلف اپنے چھوٹوں اور نو آموزوں سے استفادہ کرتے تھے مختلف مواقع پر اپنے خوردرو مولانا حافظ احسان الحق صاحب فلاحی کے سامنے اپنے اشکالات رکھتے اور ان سے تبادلہ خیال فرماتے دیکھے گئے ظاہر ہے کہ تواضع وخاکساری ہی کی وجہ سے ایسا ممکن تھا ورنہ استادی اور بڑکپن کا زعم کبھی ایسا نہ ہونے دیتا۔

حلم وبردباری بھی کوٹ کوٹ کر آپ کے اندر بھری ہوئی تھی کبھی اپنی ذات کے لیے آپ نے کسی سے انتقام نہیں لیا بعضوں نے کھلی محفل میں آپ پر تنقیدیں کیں لیکن کبھی ناقدین کے ساتھ آپ کے رویہ میں فرق نہیں آیا۔ بعضوں نے سلام وکلام تک سے گریز کیا لیکن آپ برابر انھیں بھی ہدیہ سلام پیش کرتے رہے اور کبھی کوئی کد نہیں رکھا۔

والدین کی اطاعت وخدمت کے معاملے میں بھی آپ ممتاز تھے کبھی ان کے حکم کی سرتابی نہیں کی، برابر ان کی خدمت میں لگے رہتے ان کا ہاتھ بٹاتے اور ان کی ضروریات کا خیال رکھتے۔ آپ کی والدہ ابھی حیات ہیں۔ زمانہ علالت میں بھی ان کی ضروریات کے لیے آپ نے رقم مخصوص کر دی تھی جو برابر انھیں دی جاتی تھی تاکہ انھیں کسی قسم کی تکلیف کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ آپ کے والد محترم ۲۳ر فروری ۱۹۸۵ء کو انتقال فرما گئے تھے لیکن ان کی یاد برابر آپ کو ستاتی رہتی تھی۔ کسی قدر اندازہ اس تحریر سے بآسانی لگایا جا سکتا ہے جو ان کے انتقال کے کچھ روز بعد آپ نے اپنی ڈائری میں رقم فرمائی تھی۔

کل نفس ذائقۃ الموت

۲۳ر فروری ۱۹۸۵ء کو بروز سنیچر ایک بجکر ۵ منٹ پر دن میں والد محترم جناب الحاج عبدالجبار صاحب اپنے مالک حقیقی سے جا ملے انا لله وانا اليه راجعون۔ اس طرح ہم تمام بھائی بہن ہمیشہ کے لیے پدرانہ شفقتوں سے محروم ہو گئے۔ ہمارے سر سے والد محترم کا سایہ اٹھ گیا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ ان کے اگلے تمام مراحل کو آسان کر دے۔ متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ہم تمام لوگوں کو اپنی خوشنودی کی جنت میں ایک ساتھ رکھے آمین۔ مرحوم بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ ان کی زبان پر کبھی کسی کی شکوہ شکایت نہ تھی بس اپنے کام سے کام رکھتے تھے۔ قرآن کی بڑی بڑی سورتیں یاد تھیں جنھیں بعد نماز فجر زبانی پڑھا کرتے تھے۔ اسی طرح بہت سے اچھے اشعار یاد تھے جن کو رات میں گنگنایا کرتے تھے۔

مرحوم کی نماز جنازہ بعد نماز مغرب ادا کی گئی جس میں جامعۃ الفلاح کے تمام اساتذہ، دیگر اسٹاف کے لوگ نیز عربی درجات کے تقریباً تمام بچے شریک ہوئے۔ اللہ ان کو بھی جزائے خیر دے۔ آمین۔

نور محمد فلاحی

۲۸/۲/۱۹۸۵ء

مولانا کی کن کن خوبیوں کو گناؤں مشتے از خروارے تذکرہ آگیا۔ لکھنے کو بہت کچھ ہے لیکن نوک قلم کو مزید جنبش دینے کا یارا نہیں پا رہا بس احسان دانش کے الفاظ میں مختصراً صرف اس قدر کہا جا سکتا ہے ؎

افسوس ہے کہ دست قضا نے اچک لیا
اک پھول تھا جو سارے گلستاں میں انتخاب

اللہ بال بال مغفرت فرمائے، رحمتوں کی بارش کرے، اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور ہمیں ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

●



# علامہ ناصر الدین البانیؒ

فلک ظہیر
جامعۃ الفلاح

باعمل علماء کم ہوا کرتے ہیں۔ انھیں چند مشاہیر علماء میں سے وہ ذات ہماری گفتگو کا موضوع ہے جس کے علم و فضل کی شہادت اپنے و بیگانے ہر ایک نے دی ہے۔ البتہ وہ بھی اپنے جیسے دوسرے علما کی طرح انسان ہے جس سے صواب و خطا دونوں کا امکان ہے۔ یہ شخصیت جید عالم، محدث زمانہ، عظیم والی، نمایاں طریقہ کار، طریقہ سلف پر کاربند، الٰہی شاہ راہ مستقیم پر گامزن، "واتبع سبيل من اناب الی" کی مدد ولتی تصویر، دیار شام ہی کی نہیں بلکہ درحقیقت محدث زمانہ علامہ ناصر الدین کی ہے (اللہ تعالیٰ انھیں جنت الفردوس میں جگہ دے)

## تعلیم و تربیت

علامہ محمد ناصر الدین بن الحاج نوح البانی کی پیدائش ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۴ء میں البانیا کے دارالسلطنت اشقودرہ کے ایک غریب متدین علمی گھرانے میں ہوئی۔ موصوف کے والد محترم تعلیم و تربیت کے معاملے میں مرجع خلائق تھے۔ شاہ البانیا احمد زاغو کے مغربی جمہوری ثقافت کی جانب میلان کے بعد البانی دائمی سکونت کی غرض سے والد محترم کے ساتھ ہجرت کر کے دمشق شام چلے گئے۔ موصوف نے مدرسہ "جمعية الاسعاف الخيری" میں ابتدائی تعلیم کی حاصل کی۔ دینی اعتبار سے مدارس نظامیہ کے بارے میں مخصوص رائے کے پیش نظر والد صاحب نے انھیں درس نظامی کی مکمل تعلیم نہ دلانے کا فیصلہ کیا اور ان کے لیے ایسا علمی خاکہ تیار کیا جس کے تحت انھوں نے اپنے بیٹے کو قرآن کریم، تجوید، نحو و صرف اور فقہ حنفی کی تعلیم دی۔ شیخ البانی نے اپنے والد کے پاس حفظ قرآن بروایت حفص مکمل کیا اور شیخ سعید برہانی سے فقہ حنفی کی کتاب 'مراقی الفلاح' اور کچھ زبان و بلاغت کی کتابیں پڑھیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ علامہ بہجت بیطار کی مجالس درس میں شرکت کرنے کے حریص ہو چکے تھے۔

## علم حدیث کی طرف یکسوئی اور اس کا اہتمام

والد محترم کی مسلک حنفی اختیار کرنے کی ترغیب اور علم حدیث کی شدید ممانعت کے باوجود البانی نے علم حدیث پر توجہ دی۔ شیخ محمد رشید رضا رحمۃ اللہ علیہ کے جاری کردہ مجلّہ 'المنار' کے مضامین سے متاثر ہو کر تقریباً بیس سال کی عمر میں حدیث کی تعلیم شروع کی۔ حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "المغنی عن حمل الاسفار فی تخریج ما فی الاحیاء من الاخبار" کی نقل اور اس پر حاشیہ آرائی، حدیث کے سلسلہ میں ان کا سب سے پہلا کام ہے۔ حدیث اور علم حدیث کو مشغلہ بنانے کے اعتبار سے شیخ البانی کے لیے یہ کام بڑا بابرکت ثابت ہوا۔ اس کے ذریعہ وہ دمشق کے علمی حلقوں میں معروف ہو گئے حتی کہ دمشق کے ادارہ مکتبہ ظاہریہ نے ان کے لیے ایک کمرہ خاص کر دیا تاکہ اس میں یکسوئی کے ساتھ اپنی مفید علمی تحقیقات انجام دے سکیں۔ مزید براں انھیں دارالمطالعہ کی ایک کنجی بھی دے دی تاکہ جب چاہیں اندر جا سکیں۔ تصنیف و تالیف کا کام انھوں نے عمر کی دوسری دہائی میں شروع کیا "تحذیر المساجد من اتخاذ القبور مساجد" ان کی فقہی تالیفات میں سب سے مقدم ہے جو معرفت دلیل اور فقہ مقارن پر مشتمل ہے اور کئی بار طبع ہو چکی ہے۔ "الروض النضیر فی ترتیب و تخریج معجم الطبرانی الصغیر" ان کی حدیث کی پہلی منہجی تخریج ہے جو ابھی غیر مطبوعہ ہے۔ شیخ البانی کی سلفیت پر حدیث رسول ﷺ میں ان کی مشغولیت کا بڑا مؤثر رول رہا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ان کے شاگرد ابن قیم اور دیگر سلفی مکتب فکر کے مشاہیر کی کتابوں کے مطالعہ نے انھیں اس مسلک پر ثابت قدم رہنے میں مزید تقویت بہم پہنچائی۔

شام میں شیخ البانی نے کتاب و سنت کی دعوت کا علم بلند کیا جہاں وہ بہت سے مشائخ دمشق سے ملے۔ توحید، اتباع سنت، مسلکی تعصب، بدعات و خرافات کے مختلف مسائل پر ان سے بحث و مباحثہ کیا۔ اس کی وجہ سے انھیں بہت سے مسلکی متعصبین، صوفیاء و مشائخ اور اہل بدعت و خرافات کی جانب سے اٹھنے والی شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا علاوہ ازیں انھیں اپنے والد محترم (جو ایک متشدد صوفی تھے) کی بھی مخالفت مول لینی پڑی۔ یہ تمام لوگ جاہلوں اور شر پسندوں کو ان کے خلاف بھڑکاتے تھے اور ان کے متعلق افواہ پھیلاتے تھے کہ یہ وہابی ہے، گمراہ ہو گیا ہے اور لوگوں کو ان سے بدکاتے رہتے تھے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب دمشق کے معروف فاضل علماء ان کی دعوت کی حقانیت کو تسلیم کر چکے تھے



[illegible] کو اس دعوت پر مسلسل پیشقدمی پر ابھارنے والوں میں علامہ بہجت بیطار، شام کی جمعیۃ الشبان المسلمین کے امیر شیخ عبدالفتاح الامام، شیخ توفیق ابرزہ اور دیگر اہل فضل و کمال قابل ذکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام کو اپنی آغوش رحمت میں جگہ دے۔

## دعوتی سرگرمیاں

حسب ذیل دو ذرائع شیخ نے اپنی دعوتی سرگرمیوں کے لیے استعمال کیے۔

(۱) ہفتہ میں دوبار منعقد ہونے والی علمی مجالس جن میں طلبہ کے ساتھ ساتھ یونیورسٹیوں کے بعض اساتذہ بھی شرکت فرماتے۔ ان مجالس میں شیخ مندرجہ ذیل کتابوں کی تعلیم دیتے۔

۱۔ فتح المجید از عبدالرحمٰن بن حسن بن محمد بن عبدالوہاب

۲۔ الروضۃ الندیۃ شرح الدرر البھیۃ از شوکانی شرح نواب صدیق حسن خاں مرحوم

۳۔ اصول الفقہ از عبدالوہاب خلاف

۴۔ الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث از ابن کثیر شرح احمد شاکر

۵۔ منہاج الاسلام فی الحکم از محمد اسد

۶۔ فقہ السنۃ از سید سابق

(۲) ہر ماہ ایک ہفتہ کا منظم سفر جس کی مدت میں بعد میں اضافہ ہو گیا تھا۔ اس میں وہ شام کے مختلف علاقوں کا دورہ کرتے تھے نیز اردن کے بعض حلقوں میں بھی جاتے تھے۔ اس کام نے ان کی دعوت کے بعض معاندین کو حکام سے چغلی کھانے پر آمادہ کر دیا جس کی وجہ سے انھیں تقریباً چھ ماہ پس دیوار زنداں رہنا پڑا۔ اس سے پہلے بھی ایک بار ۱۹۶۷ء میں وہ ایک ماہ کی مدت قید خانہ میں گزار چکے تھے۔

## تالیفات و تحقیقات

شیخ محمد ناصر الدین البانی کی تالیفات ان کے دو بنیادی مرکزی اصولوں کے مطابق منظر عام پر آئیں۔

**تصفیہ**۔ اس کا مطلب حدیث، فقہ، اور عقائد کی کتابوں کو ضعیف اور موضوع احادیث و آثار سے پاک کرنا۔

**تربیت** ۔ یعنی کتاب اللہ اور سنت صحیحہ کی بنیاد پر، سلف صالح کی فہم کے مطابق عام

مسلمانوں کی تربیت کرنا۔ اس کی خاطر انھوں نے اسلامی لائبریری کو مختلف زبانوں میں مطبوع و غیر مطبوع نوے سے زائد کتابوں سے مالامال کر دیا ہے جو تمام کی تمام سنت اور اس کے دفاع میں ہیں جنھوں نے نشأۃ اسلامی کے علمبردار گروہوں اور اسلامی بیداری کی مختلف لہروں پر اپنے واضح اثرات چھوڑے ہیں یہاں تک کہ اللہ کے فضل، شیخ کی کوششوں اور ان کے مکتبہ فکر سے موجودہ زمانے نے ایک نئی مبارک نشأت کا مشاہدہ کیا ہے۔ ان کی مشہور ترین تالیفات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ والموضوعۃ و اثرھا السیئی فی الامۃ تقریبا چودہ جلدوں میں۔ جن میں پانچ حصے مطبوعہ اور بقیہ غیر مطبوعہ ہیں۔

۲۔ سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ واثرھا السیئی جزء فہرست کو ملا کر نو حصوں میں۔ مطبوعہ

۳۔ إرواء الغلیل فی تخریج احادیث منار السبیل جزء فہرست کو شامل کر کے نو حصوں میں۔ مطبوعہ

۴۔ تسدید الاصابۃ الی من زعم نصرۃ الخلفاء الراشدین الصحابۃ، پانچ حصوں میں۔ مطبوعہ

۵۔ صحیح الجامع الصغیر و زیاداتہ۔ پہلے چھ حصوں میں چھپی پھر دو جلدوں میں شائع ہوئی۔

۶۔ ضعیف الجامع الصغیر۔ پہلے چھ حصوں میں پھر دو جلدوں میں طبع ہوئی

۷۔ صحیح الترغیب والترغیب از منذری، ضعیف الترغیب والترغیب کے اضافہ کے ساتھ۔

۸۔ صحیح سنن ابی داؤد، ضعیف سنن ابی داؤد کے اضافہ کے ساتھ۔

۹۔ صحیح سنن ابن ماجہ، ضعیف سنن ابن ماجہ کے اضافہ کے ساتھ۔

۱۰۔ معجم الحدیث تقریباً چالیس جلدوں میں۔ غیر مطبوعہ

۱۱۔ الذب الاحمد عن مسند الامام احمد۔ غیر مطبوعہ

مزید برآں علمی تحقیقات اور حدیث کی تخریجات جن کی تعداد پچاس سے متجاوز ہے، شیخ



البانی کی حدیث و علم حدیث پر دسترس اور ان کے تبحر علمی کا ٹھوس ثبوت فراہم کرتی ہیں اور جن کی [illegible] تعداد مختلف زبانوں میں شائع ہو چکی ہے۔ ان میں سے مشہور ترین مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ شرح العقیدۃ الطحاویہ از ابن العز الحنفی کی احادیث کی تخریج، اس پر حاشیہ اور اس کا مقدمہ۔ مطبوعہ

۲۔ مشکاۃ المصابیح از خطیب تبریزی، کی احادیث کی تخریج۔ تین جلدوں میں، مطبوعہ

۳۔ ریاض الصالحین از امام النووی کی تحقیق، مطبوعہ

۴۔ مختصر صحیح مسلم از منذری کی تحقیق اور حاشیہ۔ مطبوعہ

۵۔ الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث لابن کثیر از احمد شاکر۔ دو جلدوں میں

۶۔ میزان الاعتدال از ذھبی اور لسان المیزان از ابن حجر دونوں کتابوں کے درمیان تطبیق۔ غیر مطبوعہ

## تعلیمی سفر اور کارنامے

حق کے سلسلے میں پائیداری، تسلیم حق، علم و دعوت کی راہ میں پیش آمدہ مشکلات پر ثابت قدمی اور صبر و تحمل کے ساتھ نبرد آزمائی کی صلاحیتوں کے ساتھ علامہ البانی کی علمی دقیقہ رسی کے باعث علماء کرام بیشمار علمی و دعوتی منصوبوں اور کاموں میں انھیں اپنا ہمسفر بنانے کی خاطر ان کی طرف لپکتے اور پیش قدمی کرتے۔

ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی رحمۃ اللہ علیہ نے موسوعہ فقہ اسلامی جسے یونیورسٹی نے ۱۹۵۵ء میں شائع کرنے کا ارادہ کیا تھا، کی احادیث بیع کی تخریج کے لیے انھیں منتخب کیا۔

کتب سنت کی اشاعت کی نگرانی کی خاطر مصر و شام کے معاہدہ کے زمانہ میں تشکیل دی گئی مجلس کے ممبر منتخب ہوئے۔

جامعہ سلفیہ بنارس (ہند) نے علامہ سے اپنے یہاں شیخ الحدیث کی ذمہ داری قبول کرنے کی درخواست کی لیکن اہل خانہ کو ساتھ رکھنے کی دشواریوں کے پیش نظر معذرت کر لی۔

۱۳۸۸ھ میں سعودی عرب کے تعلیمات اعلیٰ کے وزیر عزت مآب جناب حسن بن

عبداللہ آل شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے جامعہ ام القری مکہ مکرمہ کے شعبہ علوم اسلامی کی نگرانی کی ذمہ داری اپنے سر لینے کی علامہ البانی سے درخواست کی لیکن کچھ چیزیں درمیان میں حائل ہو گئیں۔

۱۳۸۷ھ میں ادارہ بحوث علمیہ افتاء ودعوت وارشاد نے کتاب وسنت کی دعوت کے لیے مصر، مغرب، اور برطانیہ کے سفر کے لیے انھیں منتخب کیا۔

۱۳۹۵ھ سے ۱۳۹۸ھ تک جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی مجلس اعلی کے ممبر منتخب ہوئے ساتھ ہی جامعہ میں تین سال تدریسی فرائض بھی انجام دیئے۔

بہت سے عرب ویورپی ممالک کا دورہ کر چکے ہیں اور وہاں موجود اسلامی جماعتوں اور مسلم طلبہ سے ملاقاتیں کی ہیں نیز مفید علمی لکچر سے استفادہ کا موقع بھی فراہم کیا ہے۔

## اہل علم سے لگاؤ

شیخ البانی نے بہت سارے علماء کرام اور طالبان سے ملاقات کی ہے۔ ان سے استفادہ کیا ہے نیز انھیں فائدہ بھی پہنچایا ہے۔ جن علماء کرام سے ملاقات کی ہے ان میں سے کچھ حسب ذیل ہیں

- مصر کی جماعت انصار السنة المحمدیه کے امیر شیخ محمد حامد الفقی رحمۃ اللہ علیہ
- شیخ سید سابق کی فقہ السنۃ کے سلسلے میں کسی مقالہ پر شیخ البانی نے اخوان المسلمون کے مجلّہ میں کچھ تعلیقات شائع کیں جو بعد میں شیخ حسن البناء کے مقدمہ کے ساتھ کتابی شکل میں شائع ہوئیں۔ اس واقعہ کے بعد ہی شیخ حسن البناء رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے پاس ایک تشجیعی خط لکھا جس میں ان کی حوصلہ افزائی فرمائی اور انھیں اپنے علمی طریقہ پر استوار رہنے پر ابھارا۔
- علامہ البانی نے شیخ الحدیث احمد شاکر سے ملاقات کی اور دونوں میں باہم علمی نشستیں بھی ہوئیں
- اسی طرح انھوں نے علامہ محمد جوندلی، سنن الکبری للنسائی کے جزء اول اور تحفۃ الاشراف للمزی کے محقق ہندوستانی عالم عبدالصمد شرف الدین سے بھی ملاقات کی۔ نیز شیخ مغربی محمد زمزمی، جن سے مغرب میں طنجہ کے مقام پر مفید علمی نشستیں ہوئیں، بھی علامہ کے ملاقاتیوں میں سے ہیں۔ استاد محمد المبارک رحمۃ اللہ علیہ کے توسط سے مؤرخ حلب علامہ محمد راغب الطباخ شیخ البانی سے ملے اور دعوت کتاب وسنت اور علم حدیث سے لگاؤ کے سلسلہ میں ان کی سرگرمی پر اپنی خوشی کا اظہار کیا اور انھیں اپنی تمام مرویات کی اجازت دی اور اپنی کتاب "الانوار الحلیة فی مختصر الاثبات الجلیة"



عطا کی۔

- جہاں تک شیخ البانی اور سعودی عربیہ کے مفتی عام شیخ عبدالعزیز بن باز سے تعلق کی بات ہے تو وہ بہت مستحکم تھا۔ دونوں میں مفید علمی نشستیں ہوتی رہتی تھیں، شیخ بن باز خود ہی ان کے سلسلہ میں کہتے ہیں کہ " ناصر الدین البانی ہمارے خاص مشہور رفیقوں میں ہیں۔ میں انھیں بہت پہلے سے پہچانتا ہوں۔ بہترین عالم دین، عقیدہ طیبہ کے حامل ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے حدیث شریف کی خاطر اپنے وقت کو فارغ کیا اور سنت کی خدمت میں لگایا۔ موصوف انتہائی قابل احترام ہیں اور اس کے سزاوار ہیں کہ ان کی کتابوں سے کسب فیض کیا جائے اور بھرپور فائدہ اٹھایا جائے۔ میں بھی ان سے فائدہ اٹھانے والوں میں سے ہوں۔ ان کی بہت سی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔ یہ تمام کتابیں بڑی مفید ہیں۔ برادر نیکوکار اور سنت کے پیروکار ہیں البتہ معصوم نہیں۔"
- ۱۳۸۴ھ میں شائع ہونے والے فقه السيرة کے چوتھے ایڈیشن کے مقدمہ میں شیخ محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے علم کی ستائش ان الفاظ میں کی ہے "مجھے بڑی مسرت ہے کہ استاذ محمد ناصر الدین البانی کی نظر ثانی کے بعد یہ جدید ایڈیشن شائع ہو رہا ہے۔ موصوف کو علم حدیث میں وہ کمال حاصل ہے جو اس کے شایان شان ہے۔ میں اس تبحر علمی کی بے پناہ قدر کرتا ہوں۔ دینی معاملات کی تحقیق میں وہ قابل قدر رخ کی نمائندگی کرتے ہیں۔ وراثت نبوت کی حفاظت کے سلسلہ میں ان کی کاوشوں کو اللہ تعالی شرف قبولیت سے نوازے اور ہم سب کو راہ راست پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔
- دمشق شام کی جمعیۃ التمدن الاسلامی کے امیر استاذ احمد مظہر العظمۃ شیخ البانی کے علم سے بہت متاثر ہوئے اور اپنے مجلّہ کے صفحات ان کے مقالات کی نشر واشاعت کے لیے کشادہ کر دیئے اور ان کے متعلق فرمایا "محدث اکبر علامہ بدرالدین حسینی کی وجہ سے دمشق معروف تھا جب اللہ تعالی نے انھیں اپنے جوار رحمت میں بلا لیا تو یہ علاقہ ایک ایسے امام سے خالی ہو گیا جو علوم حدیث کے بارے میں نگاہوں کی فرودگاہ ہو۔ البتہ ایک نوجوان جو صاحب زہد و تقوی ہیں یعنی استاذ محمد ناصر الدین البانی جو حدیث و علم حدیث اور نوجوانوں کو اس پر یکجا کرنے کی خدمت کی وجہ سے نوجوانوں کے حلقہ میں مشہور ہوئے۔ اپنی زبان عربی کی فصاحت، عمدہ گفتگو، بہترین مناقشہ کے ذریعہ ایسا کمال حاصل کر لیا جس کی وجہ سے نوجوانوں کی ایک جماعت ان کی گرویدہ ہو گئی اور ان سے کسب فیض کرنے لگی۔

◆ مزید براں شیخ محمد طیب اوکیج بوسنوی، التعلیقات السلفیه علی سنن النسائی کے مؤلف علامہ محمد عطاء اللہ حنیف، جامعہ بایرو نائیجیریا کے استاذ ڈاکٹر عبدالعلی عبدالحمید اعظمی، خود البانی کا شاگرد رکھنے والے جامعہ اسلامیہ کے شعبہ دراسات علیا کے سابق سربراہ ڈاکٹر محمد المصری نے ان کی تعریف کی ہے۔ شام و لبنان کی جامعات کے حدیث و علوم حدیث کے استاذ ڈاکٹر صبحی صالح، جامعہ اسلامیہ پاکستان کے استاذ ڈاکٹر احمد عسال اور بہت سے اہل فضل و کمال نے بھی شیخ کے علم و فضل کی شہادت دی ہے۔ اللہ تعالی فاضل محدث علامہ محمد ناصر الدین البانی کی لغزشوں کو معاف فرمائے، انھیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ان کی خدمات کو شرف قبولیت بخشے۔ وجزاہ خیر الجزاء عن الاسلام والمسلمین۔

●

# غزل

رياض احمد قاصد

کبھی دریچے کبھی اپنے در میں آجائے
جو تذکرہ بھی مرا ان کے گھر میں آجائے
مجھے تلاش حرم ہے مگر دعا کیجیے
کہ اس کا گھر نہ کہیں رہگذر میں آجائے
عجب نہیں ہے کہ ہو جائے شاہکار حسیں
جو کوئی سنگ بھی دست ہنر میں آجائے
سمجھ لو فاصلہ منزل کا بڑھ گیا کچھ اور
خیال ترک سفر جب سفر میں آجائے
مجھے یقیں ہے موجوں کو زیر کرلوں گا
یہ اور بات کہ قسمت بھنور میں آجائے

◆



سوانح

# مولانا داؤد اکبر اصلاحی رح (آخری قسط)

محمد عارف عمری
رفیق دار المصنفین اعظم گڑھ یوپی

## قرآنی تحقیقات

مولانا داؤد اکبر اصلاحیؒ نے مدۃ العمر مولانا حمید الدین فراہیؒ کے فکر و منہج کے مطابق قرآن مجید کے معانی و مطالب پر غور و تدبر کیا اور اس بحر ناپید اکنار میں غواصی کر کے نہایت قیمتی موتی برآمد کیے چنانچہ ان کی بعض قرآنی تحقیقات فکر فراہیؒ کے وقیع سرمایہ میں نہایت اہم اور قابل قدر اضافہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ نمونہ کے طور پر صرف دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں جن سے ان کے قرآنی تبحر اور فکر فراہی سے ان کی گہری مناسبت اور واقفیت کا اندازہ ہو سکے گا۔

مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے جاں نثار صحابہ مسلسل تیرہ برس تک مشرکین کے ظلم و ستم کے شکار رہے۔ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ان کو ایک اطمینان کی جگہ میسر آئی مگر یہاں بھی ابتدا میں ان کو یہودیوں کی سازشوں اور ان کے مکر و فریب اور مشرکین مکہ کے خطرات کا ہمہ وقت سامنا تھا، بالآخر غزوہء بدر کا معرکہ پیش آیا جس نے باطل کی کمر توڑ کر رکھ دی اور حق کا بول بالا ہوا، اسی لیے قرآن مجید نے اس غزوہ کو یوم الفرقان کے نام سے موسوم کیا ہے، قرآن مجید میں اس غزوہ کا مفصل ذکر سورہ انفال میں ہے جس میں غزوہ کی تمام تفصیلات کے ساتھ جو کہ جنگ میں مسلمانوں کی غیبی مدد اور ملائکہ کے نزول کا ذکر بھی ہے۔ اس سورہ میں مال غنیمت کے احکام بھی ذکر کیے گئے ہیں اور قید و بند اور فدیہ وغیرہ کا بھی ذکر آیا ہے اس ضمن میں درج ذیل دو آیتیں بھی آئی ہیں ﴿ما كان لنبيٍ أن يكون له اسرى حتى يثخن فى الارض تريدون عرض الدنيا والله يريد الآخرة والله عزيز حكيم ۞ لو لا كتاب من الله سبق لمسكم فيما أخذتم عذاب عظيم ۞﴾

ان دونوں آیتوں کی تفسیر میں جمہور مفسرین متفق اللفظ ہیں کہ ان میں اہل ایمان مخاطب ہیں اور اس کا شان نزول وہ یہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہء بدر میں کفار کی طاقت کو پوری طرح کچلنے سے قبل قیدی پکڑ لیے اور مدینہ پہنچ کر ان اسیران بدر کی بابت صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا کہ ان کے ساتھ کیا

کیاجائے حضرت عمرؓ نے رائے دی کہ سب قتل کر دیے جائیں اور حضرت ابو بکرؓ نے یہ مشورہ دیا کہ ان سے فدیہ لیکر ان کو چھوڑدیا جائے چنانچہ اسی مشورہ پر عمل ہوا۔ اسی موقع پر یہ دونوں آیتیں نازل ہوئیں جن میں فدیہ لینے پر مسلمانوں کو سرزنش کی گئی بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ ان آیتوں کے نزول کے بعد آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ رو پڑے اور حضور اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ مجھ کو عذاب اس درخت سے بھی قریب تر دکھایا گیا اور اگر وہ آجاتا تو بجز حضرت عمرؓ کے کوئی بچ نہیں سکتا تھا۔

مولانا داؤد اکبر اصلاحی کو یہ اولیت حاصل ہے کہ انھوں نے نہایت پرزور دلائل کی بنیاد پر جمہور کی اس عام اور مروج تفسیر سے اختلاف کیا۔ ان کا کہنا ہے کہ ان دونوں آیتوں میں مخاطب اہل ایمان نہیں بلکہ کفار ہیں۔ جو غزوہ بدر کی شکست کے بعد مسلمانوں پر یہ الزام تراشی کرتے تھے کہ یہ نبی رحمت کا داعی بنتا ہے مگر اس نے بدر میں خون بہایا اور قیدیوں سے فدیہ لیا۔ چنانچہ ان دونوں آیتوں میں انھیں کو مخاطب کر کے ان کے غلط پروپیگنڈو کا جواب دیا گیا۔ وہ لکھتے ہیں: "ہمارے نزدیک یہ آیات چند در چند سوالات کے جواب میں واقع ہے۔"[۱]

مولانا داؤد اکبر اصلاحی کے نزدیک ان آیتوں میں ظاہراً خطاب تو کفار سے ہے مگر اصل ڈانٹ یہودیوں پر ہے، جو اس قسم کی افتراپردازیاں پھیلانے کا آغاز کرتے تھے، انھوں نے جمہور کی تفسیر سے اپنے اختلاف کی وجہ بھی بیان کی ہے چنانچہ لکھتے ہیں: "اگر عتاب قتل نہ کرنے پر ہوا جیسا کہ سلف بن سے بعض بزرگوں کا خیال ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ مذہب اسلام جس کے متعلق یہ دعوی کیا جاتا ہے کہ وہ سارے عالم کے لیے رحمت بن کر آیا ہے کچھ غلط سا ہے اور مخالفین کا یہ نظریہ قوی ہے کہ جب تک اسلام مکہ میں کسمپرسی کے عالم میں تھا اس وقت تو وہ دبا رہا لیکن مدینہ میں آتے ہی جب ذرا اسے طاقت حاصل ہوئی تو اس نے ظلم و ستم کا بازار گرم کر دیا۔ بالخصوص بدر کی لڑائی میں تو اسلام کی کتاب میں اسیران بدر کے لیے رہائی کی صورت ہی نہ تھی۔"[۲]

مولانا داؤد اکبر اصلاحیؒ نے ان آیتوں سے بھی تعرض کیا ہے جنکو جمہور اپنے موقف کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ ان کی تحقیق کے مطابق روایت کا وہ حصہ جس میں آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کے رو پڑنے اور مثالی عذاب کا ذکر ہے از روئے روایت مستند نہیں ہے۔ چنانچہ انھوں نے اس سلسلہ میں علامہ ابن حزم کی تصریح نقل کی ہے۔ نیز محدثین کے اصول نقل و عقل کی قدرے وضاحت



کرتے ہوئے انھوں نے ان روایات کو عقلاً بھی غیر مستند ثابت کیا ہے۔

مولانا داؤد اکبر اصلاحیؒ نے محض اپنے قائم کردہ اشکال کی بنا پر یہ تفسیر اختیار نہیں کی ہے بلکہ انھوں نے دونوں آیتوں کے الفاظ کی لغوی تحقیق پیش کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ آیتوں کے الفاظ بھی ان کی توجیہ کی تائید کرتے ہیں چنانچہ انھوں نے اپنی تحقیق کی اساس درج ذیل چار کلمات کو بنایا ہے۔

۱۔ حتى يثخن ۲۔ تريدون عرض الدنيا ۳۔ كتاب ٤۔ فيما اخذتم

حتى يثخن میں لفظ حتی کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ یہ لفظ اس آیت میں ترقی کے مفہوم پر مشتمل ہے اور اس کی نظیر بھی انھوں نے کلام عرب سے پیش کی ہے۔

تریدون عرض الدنیا کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ اس میں بظاہر کفار سے خطاب ہے مگر درپردہ یہود مراد ہیں اس لیے کہ دنیا میں جتنی قومیں بستی ہیں ان میں سب سے زیادہ دنیا پرست یہود قوم ہے۔

لفظ کتاب کا مفہوم انھوں نے اس موقع پر سنت اللہ یا قانون الٰہی کو بتایا ہے۔ اور اس کی نظیر بھی قرآن مجید سے پیش کی ہے۔

أخذتم کا مفہوم عام طور پر مفسرین نے فدیہ لینا بتایا ہے مگر وہ اس کو اس آیت میں اختیار کرنے کے معنی پر مشتمل بتاتے ہیں اور لسان العرب سے اس مفہوم کی تائید بھی نقل کرتے ہیں۔[۳]

اس تحقیق کی روشنی میں مولانا داؤد اکبر اصلاحیؒ نے ان دونوں آیتوں کا مفہوم یہ بتایا ہے کہ کوئی نبی اس بات کا روادار نہیں ہوتا کہ قیدی بنائے، خوں ریزی تو دور کی بات ہے، یہ تو تم یہودیوں کی سرشت ہے کہ جب مال کے لیے غارت گری کرتے ہو، اللہ اور اس کے رسول کے پیش نظر محض آخرت ہوتی ہے، اگر نوشتہ تقدیر پہلے سے لکھا ہوا نہ ہوتا تو تمہاری اس حرکت پر تم کو بڑا عذاب آلیتا۔ پھر آگے اہل ایمان کو تسلی دی گئی ہے کہ تم ان کے پروپیگنڈوں سے متاثر مت ہو بلکہ خوشی خوشی مال غنیمت کو استعمال کرو۔

مولانا داؤد اکبر اصلاح کی یہ نادر تحقیق پہلی مرتبہ ماہنامہ ترجمان القرآن (حیدر آباد) ج ۹ عدد ۳ بابت ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی۔ چونکہ یہ بالکل ایک نئی اور انوکھی رائے تھی اور مدرسۃ الاصلاح کے ایک نوجوان سال استاد کی کاوش تھی اس لیے مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ نے اس مضمون پر اپنا اختلافی

نوٹ بھی تحریر کیا جس میں جمہور کے موقف کی حمایت کی۔ مگر مولانا داؤد اکبر اصلاحی نے یہ رائے نہایت محکم دلائل کی بنیاد پر قائم کی تھی، چنانچہ انھوں نے دوبارہ اپنے دلائل کو مرتب کر کے ترجمان القرآن میں اشاعت کے لیے بھیجا جو جلد ۱۰ عدد ۶ شمارہ ۱۹۳۷ء میں شائع ہوا۔ تاہم مولانا مودودیؒ اپنے موقف ہی پر مصر رہے۔ اول تو مولانا مودودی نے جمہور کی تفسیر میں کسی قباحت سے انکار کیا ۔ چنانچہ مولانا داؤد اکبر اصلاحیؒ کو مخاطب کر کے لکھا کہ :

"قبل اس کے کہ آپ اس مفہوم کو چھوڑ کر کوئی دخل مقدر فرض کریں آپ کو یہ ثابت کرنا چاہیے کہ اس متبادر مفہوم میں فی الواقع کوئی قباحت ہے، آپ جو قباحت بیان کرتے ہیں ہم کو اس کے قباحت ہونے میں کلام ہے۔"[۴]

دوسرے انھوں نے اگر قباحت کو کسی حد تک تسلیم بھی کیا تو اس کو یہ کہہ کر رد کرنے کی کوشش کی ہے :

"یہ تمام شبہات جو فاضل مضمون نگار نے بیان کیے ہیں انیسویں صدی عیسوی میں پیدا ہوئے ہیں۔ چھٹی صدی عیسوی کے کسی یہودی کے دل میں پیدا نہیں ہو سکتے تھے۔"[۵]

مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ جمہور کی اس پر جوش حمایت کے باوجود مولانا مودودیؒ نے عتاب کے عموم سے رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی کو الگ کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ لکھتے ہیں :

"اس سلسلہ میں ایک اور بات سمجھ لیجیے، نبی ﷺ کو جس بات پر تنبیہ کی گئی ہے وہ صرف پہلے فقرے میں بیان ہوئی ہے، یعنی آپ کو صرف اس بات پر متنبہ کیا گیا ہے کہ اے نبی ہم نے اثخان فی الارض کی شرط جو لگائی تھی اس کو تم نے پورا نہیں کیا، اور اس کو کیے بغیر قیدی پکڑ بھی لیے اور ان سے فدیہ بھی قبول کر لیا۔ اس کے بعد دوسرے فقرے میں عام مجاہدین کو چشم نمائی کی گئی ہے کہ تم ہماری ہدایت کے خلاف غنیمت پر کیوں جھک پڑے حالانکہ تم کو سمجھا دیا تھا کہ تمہاری جنگ دنیا کے لیے نہیں بلکہ آخرت کے لیے ہے۔ اس فقرہ میں صیغہ جمع کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے، لہٰذا اس کے مخاطب نبی ﷺ نہیں بلکہ مسلمان ہیں اور یہ شبہ کرنے کی گنجائش نہیں رہتی کہ اس سے حضورؐ پر دنیا طلبی کا الزام آتا ہے۔"[۶]

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ نے اس توجیہ کے ذریعہ یقیناً آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی کو



دنیا طلبی کے الزام سے بچالیا ہے مگر محل غور یہ بات ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عام شرکائے بدر اس توجیہ کے مطابق کس مقام پر کھڑے نظر آتے ہیں، شاید مولانا کی نظر اس طرف نہیں گئی ہے۔

مولانا مودودی کو دو باتوں کی بنا پر اپنے موقف پر شدت سے اصرار ہے۔ ۱۔ سلسلہ کلام میں تبدیلی خطاب کی گنجائش نہیں ہے۔ ۲۔ اثخان سے پہلے قیدی بنانا اور فدیہ لینا منشاء الٰہی کے خلاف ہے۔

خوشی کی بات ہے کہ فکر فراہی کے شارح و ترجمان مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے جنھوں نے مولانا داؤد اکبر اصلاحیؒ کے اس نقطہ نظر کو مکمل طور پر قبول کیا ہے، مولانا مودودی کے ان دونوں اشکالات کو رفع کر دیا ہے۔ تبدیلی خطاب کے ضمن میں وہ لکھتے ہیں :

"قرآن میں خطاب کا انداز جیسا کہ ہم بار بار واضح بھی کر چکے ہیں بالکل اسی طرح کا ہوتا ہے جو ایک اعلیٰ خطیب تقریر میں اختیار کرتا ہے، جتنی پارٹیاں سامنے ہوتی ہیں بیک وقت سب کی طرف رخ بدل بدل کر ان کے ذہن کے لحاظ سے بات کہتا چلا جاتا ہے، خود بات ہی واضح کر دیتی ہے کہ مخاطب کون ہے اور اس کے کس شبہ یا اعتراض کا جواب دیا گیا ہے۔ یہاں بھی یہی صورت ہے۔"[۷]

مولانا مودودی کا دوسرا اشکال اثخان کی شرط بدر میں پوری نہیں ہوئی تھی اس لیے عتاب کا جواز موجود ہے، اس پر مولانا امین احسن اصلاحیؒ کا تبصرہ بہت برمحل ہے کہ :

"جہاں تک خوں ریزی کا تعلق ہے اس کے اعتبار سے بھی بدر میں کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی ۔ قریش کے ستر آدمی جن میں بڑے بڑے سردار بھی تھے مارے گئے۔ کم و بیش اتنے ہی قید ہوئے، باقی فوج بھاگ کھڑی ہوئی تو آخر لڑائی کس سے جاری رکھی جاتی۔"[۸]

مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے مولانا داؤد اکبر اصلاحیؒ کے دلائل میں بعض اہم اضافے بھی کیے ہیں جن میں یہ دلیل خاص طور پر اہمیت کی حامل ہے۔ لکھتے ہیں :

"ماکان۔ ماکان کا اسلوب بیان الزام اور رفع الزام دونوں کے لیے آسکتا ہے اور قرآن میں دونوں ہی قسم کے مواقع میں یہ اسلوب استعمال ہوا ہے۔۔۔۔ بعینہ یہی اسلوب بیان آل عمران ۱۶۱ میں ہے ﴿ماکان لنبی ان یغل ومن یغلل یات بما غل یوم القیامۃ﴾ ظاہر ہے کہ یہ آیت الزام کے لیے نہیں بلکہ رفع الزام اور نبی کی تنزیہ شان کے لیے ہے۔۔۔۔ ٹھیک اسی اسلوب میں آیت زیر بحث میں قریش کی تردید کی گئی ہے۔"[۹]

# غزوہ بدر میں لشکر قریش کے ہاتھ لگنے کی تصریح

غزوہ بدر کے ذکر میں جملہ مؤرخین اور سیرت نگار اس بات پر متفق ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ابتداءً قریش کے کاروان تجارت پر حملہ کرنے کے لیے نکلے تھے، مگر دو چار منزل چل کر یہ معلوم ہوا کہ قریش کی فوجیں آرہی ہیں چنانچہ بدر کے مقام پر مسلمانوں کا ان سے مقابلہ ہوا۔ تمام سیرت نگاروں میں صرف علامہ شبلی نعمانیؒ اس رائے سے متفق نہیں ہیں۔ انھوں نے اپنی مایہ ناز تصنیف "سیرۃ النبیؐ" میں اس کی تردید کرتے ہوئے قرآن مجید کے انداز بیان اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو مدینہ منورہ میں ہی لشکر قریش کی اطلاع مل چکی تھی جو اصلاً مدینہ منورہ پر حملہ کی غرض سے آرہا تھا اور آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ سے اسی کے دفاع کے لیے نکلے تھے۔ مگر اس ضمن میں سورہ انفال کی درج ذیل آیت جس میں قافلہ قریش اور جنگی لشکر دونوں میں سے کسی ایک کے ہاتھ لگنے کا ذکر ہے، عام سیرت نگاروں کے موقف کو تقویت پہنچائی ہے ارشاد باری ہے:

﴿وإذ يعدكم الله احدى الطائفتين انها لكم و تودون أن غير ذات الشوكة تكون لكم و يريدالله أن يحق الحق بكلماته و يقطع دابر الكافرين﴾ انفال۷

اور یاد کرو جبکہ اللہ تم سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کر رہا تھا کہ وہ تمہارے ہاتھ لگے گا اور تم یہ چاہ رہے تھے کہ غیر مسلح گروہ تمہارے ہاتھ آئے اور اللہ چاہتا تھا کہ وہ اپنے کلمات سے حق کا بول بالا کردے اور کافروں کی جڑ کاٹے۔

علامہ شبلی نے اس آیت کی تفسیر میں نہایت لطیف نقطہ یہ تحریر فرمایا ہے کہ:

"قرآن مجید کی آیت مذکورہ بالا میں کفار کے دو فریق کا خدا نے بیان کیا ہے، ایک قافلہ تجارت اور دوسرا اصحاب شوکت یعنی کفار قریش جو مکہ سے لڑنے کے لیے آرہے تھے۔ آیت میں تصریح ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت ایسی تھی جو چاہتی تھی کہ کاروان تجارت پر حملہ کیا جائے۔ خدا نے ان لوگوں پر ناراضگی ظاہر کی اور فرمایا:

﴿و تودون أن غير ذات الشوكة تكون لكم و يريدالله أن يحق الحق بكلماته و يقطع دابر الكافرين﴾

اور تم یہ چاہ رہے تھے کہ غیر مسلح گروہ تمہارے ہاتھ آئے اور اللہ چاہتا تھا کہ وہ اپنے کلمات سے حق کا بول بالا کردے اور کافروں کی جڑ کاٹے۔



ایک طرف وہ لوگ ہیں جو قافلہ تجارت پر حملہ کرنا چاہتے ہیں اور دوسری طرف خدا ہے جو چاہتا ہے کہ حق کو قائم کردے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔ اب سوال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان دو میں سے کس کے ساتھ ہیں؟ عام روایتوں کے مطابق اس سوال کا کیا جواب ہوگا میں اس تصور سے کانپ اٹھتا ہوں" [۱]

فکر فراہی کے ترجمان مولانا امین احسن اصلاحی نے بھی اپنی تفسیر "تدبر قرآن" میں اسی نقطہ نظر کی تائید کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"آنحضرت ﷺ کا نکلنا ابتدا ہی سے اللہ تعالی کے حکم کے تحت ایک مقصد حق کے لیے تھا اور وہ مقصد حق یہ تھا کہ دین کا بول بالا ہو اور کفر کی جڑ کٹے، ظاہر ہے کہ کفر کی جڑ کٹ سکتی تھی تو قریش کی ہزیمت سے کٹ سکتی تھی نہ کہ اس کے کسی تجارتی قافلہ کے لوٹ لینے سے۔"

مگر علامہ شبلیؒ اور مولانا امین احسن اصلاحیؒ دونوں ہی بزرگوں کو آیت ﴿وإذ يعدكم الله احدى الطائفتين......الخ﴾ اور یاد کرو کہ جب اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا دو گروہوں میں سے ایک گروہ کا۔ کی تاویل و توجیہ میں اضطراب کا سامنا کرنا پڑا، اور مولانا داؤد اکبر اصلاحیؒ نے اس بحث میں ایک اہم اضافہ کر کے ان کے موقف کو غیر معمولی تقویت بہم پہنچائی ہے، اور عام سیرت نگاروں کی ایک اہم بنیاد متزلزل کردی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"ہمارے خیال میں وعدہ خداوندی متعین طور سے لشکر کے ہاتھ لگنے کا تھا اور حسب وعدہ وہی ہاتھ لگا۔"

اس کی ایک اہم دلیل انھوں نے یہ دی کہ دونوں گروہوں میں سے متعین طور سے شوکت والے گروہ کے ہاتھ لگنے کا وعدہ نہ ہوتا تو لوگوں کو ان کے قافلہ تجارت کے لوٹنے کی خواہش پر ان لفظوں میں ملامت نہ کی گئی ہوتی۔ ﴿و تودون أن غير ذات الشوكة تكون لكم...﴾

پھر انھوں نے فکر فراہی کے طرز پر لغوی تحقیق کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ اس آیت میں احدی کا لفظ اکائی کے بجائے وصفی معنی میں ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"احدى الطائفتين میں، احدی احد کا مونث ہے، اور لفظ احد اور احدی دونوں جہاں اکائی کی گنتی کے لیے استعمال ہوتے ہیں وہیں وصفی معنی کے طور پر بے نظیر اور نمایاں کے مفہوم میں بھی

آتے ہیں۔ آیت واذیعد کم اللہ احدی الطائفتین الخ میں یہ لفظ بطور وصف نمایاں کے مفہوم میں ہے۔ اور نحوی ترکیب کے اعتبار سے صفت ہے اور اس کی اضافت موصوف کی جانب ہے۔ معنی اس کے یہ ہوں گے "یاد کرو جبکہ دونوں گروہوں میں سے نمایاں گروہ سے وعدہ الٰہی ہو رہا تھا کہ وہ تمہارے ہاتھ لگے گا۔

بعض اور مقامات پر بھی یہ لفظ اسی طرح استعمال ہوا ہے۔ مثلاً

و اقسموا بالله جهد ايمانهم لئن جائهم نذير ليكونن اهدى من إحدى الأمم

(فاطر:۴۲)

اور وہ کائی کائی قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آیا ہوتا تو وہ راہ یاب ہونے میں نمایاں گروہوں (یہود، نصاری، صابی) سے بڑھ کر ہوں گے۔

دوسرے لفظوں میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ مشرکین عرب اپنے کو امی یعنی بے کتاب اور رسول والا کہتے تھے، مومنین سے بحث ومباحثہ میں کبھی اس طرح کی بات کہہ ڈالتے کہ ہمارے پاس نہ تو کوئی آسمانی کتاب ہی آئی اور نہ رسول ہی آیا ورنہ راہ یابی میں ہم سبھی سے لانگ جاتے۔ یہود، نصاری اور صابی جن کی مذہبیت اور دینداری مانی ہوئی ہے ان سے بھی دو ہاتھ آگے نکل جاتے۔ دیکھئے سورہ فاطر کی آیت ﴿ليكونن اهدى من إحدى الأمم﴾ میں بھی احدی بطور وصف کے نمایاں کے مفہوم میں ہے۔ اکائی کی گنتی کے مفہوم میں نہیں ہے۔ [۱۱]

●

## حواشی

۱۔ مشکلات القرآن: ۴۷ ۲۔ مصدر سابق: ۴۴ ۳۔ مصدر سابق: ۵۰۔۵۲

۴۔ ماہنامہ ترجمان القرآن ج ۱۰۔ ۱۱ عدد ۶ ص ۳۲

۵۔ مصدر سابق: ۲۹ ۶۔ مصدر سابق: ۳۹

۷۔ تفسیر تدبر قرآن ج سوم ص ۵۱۱، تاج کمپنی لاہور ۸۔ مصدر سابق: ۵۱۱

۹۔ مصدر سابق: ۵۱۱ ۱۰۔ سیرۃ النبی ج ۱ ص ۳۳۸۔ طبع جدید

۱۱۔ حیات نو، "غزوہ بدر پر ایک بار اور نظر" ماہ اگست ۱۹۸۷ء ص ۹۔۱۰



# اقامت کے وقت قیام کا مسئلہ

ولی اللہ مجید قاسمی

فتح پور تال نرجا۔ مئو، یوپی

شریعت نے بعض چیزوں کو مستحب اور بہتر قرار دیا ہے کہ ان پر عمل کرنا اچھا اور پسندیدہ ہے اور نہ کرنا بھی جائز اور درست ہے اور نہ کرنے والوں پر نکیر سخت ناپسندیدہ اور ناروا ہے، ایسی چیزوں کو اپنی شناخت اور پہچان بنا لینا، اس کے وجہ سے انتشار کی فضا بنانا، لڑائی اور جھگڑے کا بازار گرم کرنا غلط اور ناجائز ہے، چنانچہ روح شریعت اور اسکے مقصد پر نگاہ رکھنے والے جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں:

"من اصر على مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة فقد اصابه منه الشيطان من الاضلال"

جو شخص مستحب معاملہ پر اصرار کرے اور اسے کرنا ضروری قرار دے، رخصت پر عمل نہ کرے تو وہ شیطان کے بہکاوے میں آگیا۔ [۱]

اور شریعت کے مزاج و مذاق سے گہری واقفیت رکھنے والے فقہائے کرام کا خیال ہے کہ: لها آداب تركه لايوجب إساءة ولا عقاباً كترك سنة الزوائد لكن فعله افضل "نماز کے کچھ آداب ہیں جنھیں چھوڑ دینے میں کوئی خرابی اور عقاب نہیں ہے، جیسے کہ سنت زوائد [۲] کو چھوڑ دینے میں کوئی حرج نہیں لیکن ان آداب کو بجالانا افضل ہے۔ [۳]

ایسے ہی مسائل میں سے اقامت کے وقت قیام کا مسئلہ بھی ہے، اس کا تعلق بھی محض آداب اور مستحبات میں سے ہے، لیکن ایسے ہی مسائل کو بہت سے لوگ واجب و فرض کا درجہ دیکر اس کے برخلاف کرنے والے کو لعن طعن کرنا جائز سمجھتے ہیں، آیئے دیکھتے ہیں اس مسئلہ میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث، صحابہ کرام کا طرز عمل اور فقہائے عظام ہماری کیا رہنمائی کرتے ہیں۔

عن أبی هريرة قال أقيمت الصلوة فقمنا فعدلنا الصفوف
قبل أن يخرج إلينا رسول الله ﷺ

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نماز کے لیے اقامت کہی گئی اور رسول اللہ ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے ہی ہم کھڑے ہوگئے اور صفیں درست کرلیں۔[4]

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ابھی گھر ہی میں تشریف فرما ہوتے کہ اقامت ہو جاتی اور صحابہ کرام صف بنا کر کھڑے ہو جاتے، لیکن امکان تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے آنے میں کسی وجہ سے تاخیر ہو جاتی تو لوگوں کے لیے کھڑے کھڑے انتظار کرنا باعث پریشانی ہوتی اور نبی رحمت ﷺ کو اپنی امت کے لیے بے وجہ اتنی مشقت بھی گوارا نہ تھا اس لیے آپ نے فرمایا" إذا اقيمت الصلوة فلا تقوموا حتى ترونی "جب نماز کے لیے اقامت کہی جائے تو مجھے دیکھے بغیر کھڑے نہ ہوا کرو۔[5]

شارح بخاری علامہ عینی حنفی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں "آنحضرت ﷺ نے دیکھنے سے پہلے قیام سے اس لیے منع فرمایا کہ مقتدیوں کو زیادہ دیر تک کھڑا نہ رہنا پڑے کیوں کہ کبھی کسی عذر کی وجہ سے آنے میں تاخیر ہو سکتی ہے۔[6]

الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی نے بھی یہی بات لکھی ہے۔[7]

اس حدیث میں یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ رسول مقبول ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے قیام سے ممانعت کو اقامت کے کسی لفظ کے ساتھ خاص نہیں کیا گیا ہے یعنی یہ نہیں کہا گیا ہے کہ موذن جب "حی علی الفلاح" پر پہنچے تب قیام کرو، اس سے پہلے کھڑے مت ہو، بلکہ ممانعت کی وجہ امام کا مسجد میں نہ ہونا ہے جیسا کہ علامہ زرقانی مالکی لکھتے ہیں" أنه نهى عن القيام قبل خروجه وتسويغ له عند رويته وهو مطلق غير مقيد بشيء من الفاظ الاقامة "آنحضرت ﷺ نے گھر سے باہر آنے سے پہلے قیام کو ممنوع قرار دیا ہے اور نکلتا ہوا دیکھنے کے بعد کھڑے ہونے کی اجازت دی ہے، یہ بالکل عام ہے اور اقامت کے کسی لفظ کے ساتھ خاص نہیں ہے۔[8]

اس ممانعت کے بعد جب تک کہ اللہ کے رسول ﷺ گھر سے مسجد کی طرف تشریف لاتے دکھائی نہ دیتے اقامت نہیں کہی جاتی تھی جیسا کہ حضرت جابر بن سمرہ کی روایت میں ہے۔



"کان بلال يؤذن اذادحضت الشمس فلا يقيم حتى يخرج النبی ﷺ فإذا خرج اقام الصلاة حين يراه" حضرت بلال زوال آفتاب کے بعد ظہر کی اذان دیا کرتے تھے اور آنحضور ﷺ کے باہر نکلنے سے پہلے اقامت نہ کہتے بس جب آپ ﷺ باہر آجاتے تو نماز کھڑی ہو جاتی۔[9]

اس رویت کی تخریج امام ابو داؤد نے ان الفاظ کے ساتھ کی ہے۔ 'کان بلال يؤذن ثم يمهل فإذا رأى رسول الله ﷺ قد خرج اقام الصلوة "[10] حضرت بلال اذان دینے کے بعد رکے رہتے اور جب رسول اللہ ﷺ باہر آجاتے تو اقامت شروع کر دیتے۔

قاضی عیاض وغیرہ نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت بلال کی عادت تھی کہ وہ حجرہ شریفہ کی طرف دیکھتے رہتے اور جونہی آنحضور ﷺ پر نگاہ پڑتی اقامت شروع کر دیتے اور تمام لوگ کھڑے ہو جاتے اور صفیں درست کر لیتے۔[11] خود بعض حدیثوں میں اس کی صراحت ہے۔ چنانچہ ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ " إن الصلوة كانت تقام لرسول الله ﷺ فياخذ الناس مصافهم قبل أن يقوم النبی ﷺ مقامه "نماز اللہ کے رسول ﷺ کے باہر نکلنے کے بعد کھڑی ہوتی اور تمام لوگ نبی ﷺ کے جائے نماز پر آنے سے پہلے ہی صفوں میں اپنی اپنی جگہ کھڑے ہو جاتے۔[12]

بعض روایتوں میں مزید وضاحت ہے کہ موذن کے اللہ اکبر کہتے ہی تمام لوگ کھڑے ہو جاتے اور رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری تک صفیں درست ہو چکی ہوتیں، چنانچہ مشہور محدث امام زہری کا بیان ہے "ان الناس كا نوا ساعة يقول الموذن الله اكبر يقومون الى الصلوة فلا ياتى النبی ﷺ حتى تعتدل الصفوف "جس وقت موذن اللہ اکبر کہتا صحابہ کرام نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے اور نبی ﷺ کے آنے تک صفیں درست ہو جاتیں۔[13]

ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ موذن اقامت کے لیے آنحضرت ﷺ کی آمد کا انتظار کرتا اور گھر سے نکلتے ہوئے دیکھ کر اقامت شروع کر دیتا اور تمام لوگ کھڑے ہو جاتے، اور کسی روایت میں یہ نہیں ہے کہ آپ ﷺ "حی علی الصلوة" کے وقت جائے نماز پر تشریف لاتے اور نہ ہی صحابہ کرام بیٹھے بیٹھے "حی علی الصلوة" کہنے کا انتظار کرتے، اس کے بجائے روایتوں میں صراحت ہے کہ اقامت کی ابتدا آپ ﷺ کو آتا ہوا دیکھنے کے بعد ہوتی اور صحابہ کرام شروع اقامت ہی میں

کھڑے ہو جاتے لہذا امام کو آتا ہوا دیکھنے سے پہلے اقامت اور کھڑا ہونا مکروہ ہوگا اور اس کے بعد کھڑا ہونا جائز ہے، اور قیام کے لیے اقامت کے کسی مخصوص لفظ کا انتظار نہ کرنا چاہیے، چنانچہ ان احادیث کی روشنی میں تمام فقہاء اسی کے قائل ہیں کہ امام مسجد میں نہ ہو تو اقامت اسی وقت کہی جائے گی جب کہ امام آتا ہوا دکھائی دے، نیز تمام لوگ اسے دیکھ کر ہی کھڑے ہوں۔[14] لیکن امام پہلے سے مسجد میں موجود ہو تو کس وقت قیام کیا جائے گا اس سلسلے میں احادیث میں کوئی صراحت نہ ہونے کی وجہ سے فقہائے عظام کے درمیان قدرے اختلاف ہے، جلیل القدر تابعی حضرت سعید بن المسیبؒ اور خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے نزدیک ابتداء تکبیر ہی میں قیام واجب اور ضروری ہے۔[15] اور امام مالک کے نزدیک ابتداء اقامت میں قیام محض مستحب ہے، واجب اور ضروری نہیں ہے۔[16] چنانچہ ان سے دریافت کیا گیا کہ "نماز کی اقامت کے وقت لوگوں کے لیے کب کھڑا ہونا واجب ہے؟" انھوں نے جواب دیا کہ لوگوں کے قیام کے متعلق کوئی متعین حد میں نے نہیں سنی ہے، لیکن میرا اپنا خیال ہے کہ یہ لوگوں کی طاقت کے مطابق ہونا چاہیے، کیوں کہ بعض لوگ بھاری بدن والے ہوتے ہیں اور بعض ہلکے پھلکے، سب ایک ہی طرح کے نہیں ہوتے ہیں۔[17]

امام شافعی فرماتے ہیں کہ اقامت مکمل ہونے کے بعد قیام مستحب ہے۔[18] امام ابو یوسف کا بھی یہی نقطہ نظر ہے۔[19] امام احمد بن حنبل کا خیال ہے کہ "قد قامت الصلوۃ" کہنے کے وقت کھڑا ہونا چاہیے، صحابی رسول انس بن مالک کا یہی عمل تھا۔[20] ایک ضعیف حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن اوفی فرماتے ہیں "کان رسول الله ﷺ اذا قال بلال قد قامت الصلوة نهض فكبر" جب حضرت بلالؓ "قد قامت الصلوة" کہتے تو اس وقت رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوتے اور تکبیر کہتے۔[21] ہو سکتا ہے کہ اتفاقی طور پر، یا آخری عمر میں بدن بھاری ہو جانے کی وجہ سے آپ ﷺ نے ایسا کیا ہو، دوسرے یہ کہ حدیث حد درجہ ضعیف ہے اس سے کوئی مسئلہ ثابت نہیں ہو سکتا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ امام مسجد میں موجود ہو تو مقتدی اور امام دونوں "حی علی الفلاح" کہنے کے وقت کھڑے ہوں، اور اگر مسجد میں نہ ہو اور صف کے پچھلے حصہ کی طرف سے مسجد میں داخل ہو تو جس صف سے آگے بڑھے اس صف کے لوگ کھڑے ہو جائیں اور اگر



صفوں کے آگے سے مسجد میں داخل ہو تو امام کو دیکھتے ہی بیک وقت تمام مقتدی کھڑے ہو جائیں۔[22] مختلف صورتوں کے لیے الگ الگ احکام کیوں ہیں؟ اس کی تفصیل کی کیا حکمت ہے؟ اس سلسلہ میں علامہ کاسانی رقم طراز ہیں

"قیام کا مقصد نماز ادا کرنا ہے اور نماز کی ادائیگی امام کے بغیر ممکن نہیں ہے، لہذا امام کی غیر موجودگی میں کھڑا ہونا بے فائدہ ہے، پھر اگر امام صفوں کے آگے سے مسجد میں داخل ہوا تو اس کو دیکھتے ہی لوگ کھڑے ہو جائیں گے، کیوں کہ اس صورت میں وہ داخل ہوتے ہی گویا امامت کی جگہ پر آگیا اور اگر صفوں کے پیچھے سے داخل ہو تو جس صف سے گذرے اس صف کے لوگ کھڑے ہو جائیں کیوں کہ اس صف والوں کے حق میں وہ اس پوزیشن میں آگیا ہے کہ اگر اس کی اقتدا کرلیں تو درست ہو گویا کہ ان کے حق میں وہ جائے امامت پر آچکا ہے۔"[23]

"حی علی الفلاح" کے وقت قیام کی کیا حکمت ہے؟ اس کا جواب مشہور فقیہ علامہ ابن نجیم مصری کی زبانی سنیے وہ فرماتے ہیں "والقيام حين قيل حى على الفلاح لانه امر يستحب المسارعة اليه" "حی علی الفلاح" (آؤ کامیابی کی طرف) پر کھڑا ہونا اس لیے ہے کہ اس جمع میں امر اور حکم ہے، اس لیے تعمیل حکم کے لیے جلدی کرنا مستحب ہے۔[24]

علامہ ابن نجیم مصری کی اس وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ قیام کے وقت مستحب کی آخری حد 'حی علی الفلاح' ہے کہ اس حکم کے آجانے کے بعد بیٹھے رہنا خلاف ادب اور غیر افضل ہے، اور فقہی کتابوں میں عام طور پر اسی آخری حد کو بیان کیا گیا ہے، وقت مستحب کی ابتدائی حد کو بیان نہیں کیا گیا ہے، لہذا اس سے پہلے قیام کو غیر مستحب نہیں کہا جا سکتا بلکہ اس سے پہلے بھی قیام مستحب اور بہتر ہے کیوں کہ تعمیل حکم میں مسارعت شریعت میں قابل تعریف اور پسندیدہ ہے، چنانچہ علامہ طحطاوی فرماتے ہیں۔ "والظاهر انه احتراز عن التاخير لا التقديم حتى لو قام اول الاقامة لا باس به" ظاہر یہ ہے کہ 'حی علی الفلاح' پر قیام کی تحدید) تاخیر سے روکنے کے لیے ہے، پہلے کھڑے ہونے سے روکنا نہیں ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی اول اقامت ہی میں کھڑا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔[25]

واضح رہے کہ علامہ طحطاوی کی ایک عبارت سے بظاہر اس کے برعکس معلوم ہوتا ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں "واذا اخذ المؤذن فى الاقامة ودخل رجل فى المسجد فإنه يقعد ولا ينتظر قائماً

فإنه مکروه کما فی مضمرات ،قهستانی ،ویفهم منه کراهة القیام ابتداء الاقامه ، والناس عنه غافلون "موذن کے اقامت شروع کرنے کے وقت کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو وہ بیٹھ جائے اور کھڑے ہو کر انتظار نہ کرے کیوں کہ یہ مکروہ ہے جیسا کہ "مضمرات قہستانی میں ہے ،اس عبارت سے سمجھا جا سکتا ہے کہ شروع اقامت میں قیام مکروہ ہے ،حالانکہ لوگ اس سے غافل ہیں۔"۲۶

علامہ موصوف نے اس مسئلہ کو "مضمرات" نامی کتاب میں مذکور ایک دوسرے مسئلہ پر قیاس کر کے لکھا ہے جس کی پوری عبارت یہ ہے :"ذکر فی المنیة انه اذا قام والامام لم یصل رکعتی الفجر لا یجب الاعادة بعد ادائه وفی الکلام ایماء خفی إلی أنه لو دخل احد عند الاقامة یقعد لکراهة القیام والانتظار" المنیه "نامی کتاب میں مذکور ہے کہ اگر اقامت کہہ دی جائے اور امام نے سنت فجر نہیں پڑھی ہے تو امام کے سنت فجر کی ادائیگی کے بعد دوبارہ اقامت کہنے کی ضرورت نہیں ہے ،اس مسئلہ میں اس کی طرف باریک اشارہ ہے کہ اگر کوئی اقامت کے وقت مسجد میں داخل ہو تو وہ بیٹھ جائے کیوں کہ قیام اور انتظار مکروہ ہے۔۲۷

اس عبارت میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ اقامت ہو چکی ہو اور امام نے ابھی سنت فجر نہیں پڑھی ہے تو اس کے لیے سنت کی ادائیگی کی اجازت ہے اور سنت پڑھنے کے بعد دوبارہ اقامت نہیں کہی جائے گی ،اس س یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اگر کوئی شروع اقامت میں مسجد میں داخل ہو تو اسے بیٹھ جانا چاہئے کیوں کہ اس صورت میں کھڑے ہو کر انتظار کرنا ایسے ہی مکروہ ہے جیسے کہ امام مسجد سے باہر ہو ،یہ مسئلہ ہر شخص سے متعلق ہے چاہے وہ مسجد میں موجود ہو یا باہر ،لیکن چونکہ مسجد میں موجود افراد امام کی حالت سے واقف ہوتے ہیں اس لیے ان کے کھڑے ہونے کا کوئی معنی نہیں ،البتہ مسجد میں اسی وقت داخل ہونے والا شخص غلطی کر سکتا ہے کہ وہ الفاظ اقامت سنکر اسی وقت کھڑا ہو جائے اس لیے فقہی کتابوں میں خصوصی طور سے اس کا تذکرہ کیا گیا ہے ،اور واضح کیا گیا ہے کہ وہ اس وقت کھڑا ہو جبکہ امام جائے نماز پر آجائے ،چنانچہ فتاوی بزازیہ میں بڑی وضاحت کے ساتھ یہ مسئلہ مذکور ہے۔"دخل المسجد وهو یقیم یقعد ولا یقف قائماً إلی وقت الشروع "کوئی شخص اس وقت مسجد میں داخل ہو جبکہ موذن اقامت کہہ رہا ہو تو وہ بیٹھ جائے اور امام کے نماز شروع کرنے تک کھڑا نہ ہو۔۲۸



اسی طرح در مختار میں ہے :"دخل المسجد والموذن یقیم قعد الی قیام الامام فی مصلاه" کوئی مسجد میں ایسی حالت میں داخل ہو کہ موذن اقامت میں مشغول ہو تو وہ امام کے جائے نماز پر کھڑا ہونے تک بیٹھا رہے۔۲۹

ان عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کا تعلق ایک خاص حالت سے ہے جبکہ نو وارد کو امام کی حالت سے متعلق علم نہ ہو تو اسے آکر بیٹھ جانا چاہئے اور جب امام جائے نماز پر پہنچے تو اس وقت کھڑا ہو ،اور 'حی علی الفلاح' پر قیام سے بلاوجہ اس مسئلہ کو جوڑ دیا گیا ہے ،حالانکہ اس کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اگر امام مسجد میں موجود نہ ہو تو اس وقت اقامت ہونی چاہئے جبکہ اسے آتا ہوا دیکھ لیا جائے۔ اور تمام لوگ ابتداء اقامت ہی سے کھڑے ہو جائیں ،بصراحت حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے اور اگر امام مسجد میں موجود ہو تو اس سلسلہ میں صحیح حدیث کے اندر کوئی وضاحت نہیں ہے ،جس کی وجہ سے ائمہ کے درمیان قدرے اختلاف ،بعض ائمہ کے نزدیک ابتداء اقامت میں قیام بہتر ہے تو کسی کے یہاں اقامت ختم ہونے کے بعد اور بعض کے یہاں "حی علی الفلاح" کے وقت ،لیکن "حی علی الفلاح" کے وقت قیام وقت مستحب کی آخری حد ہے۔۲۸ اس لیے تعمیل حکم میں مسارعت کے مقصد سے ابتدا میں قیام کو غیر مستحب نہیں کہا جا سکتا ہے۔ بلکہ صفوں کی درستگی کے لیے ابتدا ہی میں قیام اچھا اور بہتر ہے۔ هذا ما عندی والله اعلم بالصواب۔ ●

## مراجع


۱۔ الکاشف عن حقائق السنن للعلامه شرف الدین الطیبی ۳/۱۰۵۱

۲۔ سنت زوائد وہ عمل ہے جسے اللہ کے رسول ﷺ نے بطور عادت انجام دیا ہو ،اس کے چھوڑ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۳۔ الدر المختار ۱/۴۷۷ ۴۔ الجامع الصحیح للمسلم ۱/۲۲۰

۵۔ الجامع الصحیح للبخاری ۱/۸۸ ،الجامع الصحیح للمسلم ۱/۲۲۰ ،اور مصنف عبد الرزاق اور صحیح ابن حبان

میں حتی ترونی اخرج الیکم (یہاں تک کہ تم مجھ کو باہر نکلتا ہوا نہ دیکھ لو) کے الفاظ ہیں (دیکھئے فتح الباری ۲/ ۱۲۰)

۶۔عمدۃ القاری ۵/ ۱۵۳　۷۔فتح الباری ۲/ ۱۲۰

۸۔شرح زرقانی علی الموطأ امام مالک ۱/ ۱۳۳　۹۔ الجامع الصحیح للمسلم ۱/ ۲۲۱

۱۰۔السنن لابی داؤد ۱/ ۹۷ باب الموذن ینتظر الامام　۱۱۔شرح زرقانی ۱/ ۱۳۴

۱۲۔الجامع الصحیح للمسلم ۱/ ۲۲۰　۱۳۔المصنف لعبدالرزاق ۱/ ۵۰۷

۱۴۔ اذا لم یکن الامام فی المسجد فذهب الجمهور أنهم لا یقومون حتی یروه (عمدۃ القاری ۵/ ۱۵۳)

۱۵۔حوالہ مذکورہ ۵/ ۱۵۳　۱۶۔ دیکھیے شرح النووی علی الجامع الصحیح للمسلم ۱/ ۲۲۱، عمدۃ القاری ۵/ ۱۵۴　۱۷۔الموطا ۱/ ۵۲-۵۵ باب ماجاء فی النداء للصلوۃ

۱۸۔ شرح النووی ۱/ ۱۲۱　۱۹۔عمدۃ القاری ۵/ ۱۵۳　۲۰۔شرح النووی ۱/ ۱۲۱

۲۱۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر من طریق حجاج بن فروخ وهو ضعیف جدا (مجمع الزوائد ۲/ ۵)

۲۲۔ فتاوی ہندیه ۱/ ۵۳، البدائع ۱/ ۲۰۰　۲۳۔البدائع الصنائع ۱/ ۲۰۰

۲۴۔ البحر الرائق ۱/ ۲۳۱　۲۵۔ حاشیه الطحطاوی علی الدر المختار ۱/ ۲۳۲

۲۶۔حاشیه الطحطاوی علی مراقی الفلاح　۲۷۔جامع الرموز ۱/ ۵۸

۲۹۔الدر المختار ۱/ ۶۵　۳۰۔ فتاوی بزازیه علی هامش الهندیه ۴/ ۲۵

۳۱۔اس کی تائید فقہ حنفی کی کتابوں کی ان عبارتوں سے بھی ہوتی ہے جس میں "حی علی الصلوۃ" پر قیام کا مفہوم اس سے پہلے کھڑا ہونا بتایا گیا ہے مثلاً مشہور متن "الوقایة" کے حوالے سے علامہ عبدی آفندی لکھتے ہیں "ویقوم الامام عند حی علی الصلوۃ ای قبیله" امام اور مقتدی حی علی الصلوۃ پر کھڑے ہوں یعنی اس سے تھوڑا پہلے (مجمع الانہر ۱/ ۸۷) بالکل یہی عبارت قہستانی نے بھی لکھی ہے دیکھیے (جامع الرموز ۱/ ۷۵) اور ظاہر ہے کہ "حی علی الصلوۃ" سے پہلے قیام کا یہی مفہوم ہو سکتا ہے کہ ابتداء اقامت ہی سے کھڑا رہے تاکہ تعمیل حکم کے لئے آمادہ سمجھا جائے۔



بحث و نظر

# لحن العامة، ابوبکر زبیدی پر ایک نظر
## نئے مخطوطہ کی روشنی میں

تحریر: ڈاکٹر حاتم صالح ضامن
صدر شعبہ عربی آرٹ فیکلٹی بغداد یونیورسٹی
ترجمہ و تلخیص: ظریف شہباز فلاحی ندوی
ریسرچ اسکالر جامعہ ملیہ اسلامیہ شعبہ عربی

لحن العامة (غلط العوام) ابوبکر زبیدی اندلسی متوفی ۳۷۹ھ کی ایک مشہور کتاب ہے۔ اس میں بطور خاص اسلامی اندلس میں رائج غلط العوام سے بحث کی گئی ہے۔ کچھ عرصہ پہلے اس کتاب کا ایک مخطوطہ دریافت ہوا تھا اس کا سب سے پہلا مطالعہ غالباً مشہور مستشرق جارج کرولکوف نے کیا تھا اور اپنے ایک مقالہ کے ذریعہ عربی مخطوطات میں اس کی اہمیت و افادیت پر روشنی ڈالی تھی، مستشرق موصوف کا یہ مقالہ کلیۃ الآداب دار العلوم بغداد کے آرگن (شمارہ ۲، ۱۹۵۷ء) میں چھپا تھا۔[۱] اس کے بعد ڈاکٹر رمضان عبدالتواب نے اس مخطوطہ پر ازسرنو کام کیا اور ۱۹۶۴ء میں اسے شائع کر دیا تھا، جس میں انھوں نے مختلف مفقود نصوص اور گم شدہ کڑیوں کو جوڑ دیا تھا، مصر کے ڈاکٹر عبدالعزیز مطر نے جریدہ المجلة المصرية (۱۹۶۵ء میں رمضان عبدالتواب کے شائع کردہ نسخہ کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیا جسے انھوں نے اپنی کتاب 'فی النقد اللغوی' (شائع شدہ قطر، ۱۹۸۷ء) میں بھی دہرایا ہے۔ ڈاکٹر مطر نے کتاب مذکور میں اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالہ کا ایک جزء بنایا تھا، یہ مقالہ ۱۹۶۴ء میں لکھا گیا تھا۔[۲] بعد میں ڈاکٹر موصوف نے اپنی مزید تحقیقات و تعلیقات کے ساتھ ۱۹۸۱ء میں اس کتاب کا نیا ایڈیشن شائع کیا، ان سب محققین کا خیال ہے کہ ابوبکر زبیدی کی اس موضوع پر ایک ہی کتاب ہے، لیکن فہرست ابن خیر الاشبیلی صفحہ ۳۴۶ میں ابوبکر زبیدی کے بارے میں جو نوٹ لکھا گیا ہے، اس سے اس بات کی تردید ہوتی ہے، اقتباس یوں ہے: کتاب لحن العامة لابی بکر الزبیدی، التألیف الاول والثانی، حدثنی بهما شیخنا ابو زید ابو عبدالله جعفر بن

محمد بن مكي رحمه الله ،قرأة بنى عليه فى منزله قال:حدثنى بهما الوزير ابو مروان عبدالله بن سراج رحمه الله عن الوزير ابى القاسم ابرابيم بن محمد بن زكريا ابن الافليلى عن ابى بكر الزبيدى رحمه الله،قال جعفر :و حدثنى بهما ايضاً الشيخ ابو على حسين بن محمد الفسانى قال: حدثنى بهما ابو مروان۔۳

ابو بکر زبیدی کی کتاب لحن العامہ تالیف اول وثانی دونوں کی سماعت میں نے اپنے استاذ وزیر ابو عبداللہ جعفر بن محمد بن مکیؒ سے ان کے گھر میں کی ہے۔انھوں نے اس کی سماعت وزیر ابو مروان عبداللہ بن سراج سے کی تھی، جنھوں نے ابو بکر زبیدی کے شاگرد وزیر ابو القاسم ابراہیم بن محمد بن زکریا ابن الافلیلی سے کی۔اس کے علاوہ ابو جعفر نے شیخ ابو علی حسین بن محمد الغسانی کے طریق سے بھی ان کتابوں کی سماعت کی۔

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو بکر زبیدی کی غلط العوام پر دو کتابیں ہیں، نہ کہ ایک جیسا کہ اکثر لوگ سمجھتے رہے ہیں۔مجھے لحن العامہ کا ایک اور کامل مخطوطہ ہاتھ لگا ہے جس میں دونوں ہی کتابوں کا متن موجود ہے، یہ مخطوطہ اب تک نایاب تھا میری دانست میں کسی محقق کو اس کا پتہ نہیں مل سکا تھا، حتیٰ کہ مخطوطات کے لیے مشہور لائبریریوں کی فہرستیں بھی اس کے ذکر سے یکسر خالی ہیں، یہ نسخہ جس میں دونوں کتابیں یکجا ہیں ابو عامر احمد بن عبدالملک شہید اندلسی متوفی ۴۲۶ھ کی کتاب التهذيب بمحكم الترتيب میں شامل ہے،ان کو اندلس کا جاحظ کہا جاتا ہے مقدمہ کتاب میں ابو عامر زبیدی کی دونوں کتابوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۴ " ہم اپنی اس تالیف میں ابو بکر زبیدی کی دونوں کتابیں یکجا کر رہے ہیں تاکہ یکساں فائدہ حاصل کیا جا سکے، ہم نے مؤلف کی تینوں ترتیبیں علی حالہ رہنے دی ہیں اور دونوں کتابوں کے شروع میں زبیدی کے مقدمے بھی من وعن نقل کر رہے ہیں تاکہ شیخ زبیدی کے کارنامے پر ہماری وجہ سے کوئی پردہ نہ پڑ جائے،دوسری کتاب میں زبیدی نے جو مقدمہ لکھا ہے اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے "سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اس کے انبیا ور سولوں پر درود و سلام ہو، ہم اللہ سے اس کی خوشنودی ورحمت کے حصول کی توفیق چاہتے ہیں،اس سے پہلے ہم نے غلط العوام والخواص سے متعلق ایک کتاب لکھی تھی، جس کے تین اقسام قرار دیئے تھے، پہلی قسم میں وہ الفاظ ہیں جنمیں غلط طور پر الفاظ کی ہیئت وترکیب ہی بدل کر رہ گئی ہے،دوسری قسم میں وہ الفاظ آتے ہیں



جو بذات خود درست ہیں لیکن انھیں غلط جگہ استعمال کر لیا جاتا ہے، تیسری قسم میں خاص اور مشترک الفاظ ہیں۔"اس کے بعد مروجہ القاب و آداب کے ساتھ کتاب کے انتساب اور اس کے اندلس کے مشہور سلطان الحکم المستنصر باللہ کی خدمت میں پیش کیے جانے کا ذکر کیا ہے۔اس کے بعد دوسری کتاب کی ضرورت پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں "بعد میں مزید غور و فکر سے معلوم ہوا کہ مذکورہ اقسام کے تحت بہت سی چیزیں منتشر اور بکھری ہوئی ہیں جن کی یکجائی ایک ضروری امر ہے۔اور اس کے لیے تمام مختلف اصناف کو چھانٹ کر ان کی الگ الگ درجہ بندی کی ضرورت ہے،اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ پہلی کتاب کی ترتیب کے مطابق اس پر مزید کام کیا جائے،اور اضافہ و توسیع کی جائے، ممکن ہے کہ کسی ناقد کو یہ خیال گزرے کہ پہلی کتاب میں ترتیب پر کماحقہ توجہ نہ دیئے جانے کی وجہ سے دوسری میں بھی تفصیل اور نظم وترتیب میں بعض خلا پائے جاتے ہیں، ہمارا عذر یہ ہے کہ چونکہ اس طرح کی چیزوں کا کوئی مطرد قاعدہ نہیں ہے، جس پر مزید استخراج واستنباط سے کام چلا لیا جائے بلکہ یہ سراسر سماعی مسئلہ ہے اور اہل زبان کے استعمال کو دیکھ اور سن کر ہی اصلاح وترمیم کا کام کیا جا سکتا ہے، اس لیے اس میں کمی رہ جانا باعث تعجب نہیں"۔۵

ابن شہید نے ان دونوں کتابوں کو حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیا ہے، تاہم دونوں کا متن جوں کا توں رکھنے کی کوشش کی ہے اور اس میں کوئی کمی زیادتی یا تقدیم و تاخیر نہیں ہونے دی ہے ،اس طرح ان کے یہاں کتاب ہمیں اپنی اصلی شکل میں مل جاتی ہے۔ابن ہشام اللخمی کی کتاب المدخل اِلی تقدیم اللسان" پر تحقیق کرتے ہوئے مجھے ابو بکر زبیدی کے بہت سے اقوال لحن العامہ کے حوالے سے ملے۔۶ ،لیکن وہ ان کی کتابوں کے مذکورہ مخطوطوں میں نہیں پائے جاتے ،البتہ التهذيب بمحكم الترتيب میں مجموعی طور پر وہ اقوال پائے جاتے ہیں، کچھ پہلی کتاب میں ہیں اور کچھ دوسری میں، مثلاً کفایہ کی بحث میں لکھا ہے، زبیدی کہتے ہیں، لوگ استعمال کرتے ہیں هو مُكنىً بابى فلان ،یہ صحیح نہیں ہے درست یہ ہے کہ کہا جائے مكنيٌ ومُكنًى (المدخل ۳۴) یہی بات التهذیب میں اس طرح آتی ہے يقولون هو مُكنًى بابى فلان قال ابو بكر والصواب مكنى و مكنى تقول كنيت الرجل ،اكنيه وكنوته و كنيته ،قال الشاعر

وإني لاكني عن قذور بغيرها     واعرب احياناً بها فاصارح

لوگ کہتے ہیں هو مكنى بفلان، یہ صحیح نہیں ہے درست ہے مکنی ومکنی، جو باب نصر وضرب سے آتا ہے ایک شاعر کہتا ہے۔

میں قذور کا ذکر کنایۃً کیا کرتا ہوں، اور کبھی کبھی وضاحت سے صاف صاف بھی کہہ ڈالتا ہوں۔ اس کے بعد کنایہ کی اصل بتاتے ہوئے کہ وہ الاخفاء للشيء و ترك اظهاره (کسی چیز کو چھپانا اور اس ترک اظہار کا نام ہے)، اسی لیے اسمائے ضمیر کو مکنی بھی کہہ دیتے ہیں۔ گویا کسی شخص کو اس کی کنیت سے پکارنے کا مطلب ہوا کہ احترام کی وجہ سے اس کا نام نہیں لیا جارہا ہے جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے کہ ؎

وقد ارسلت فی السران قد فَضَحتنی وقد بحتُ باسمی فی النسیب وما تکنی

اس نے خفیہ طور پر پیغام بھیج کر کہلوایا کہ تم نے غزل میں میرا نام لیکر اور کنایہ سے کام نہ لیکر مجھے رسوا کردیا۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے اقوال زبیدی سے منسوب ہیں اور ادب ولغت کی کتابوں میں موجود ہیں، لیکن لحن العامہ کے مطبوعہ نسخوں میں وہ نہیں ملتے۔ البتہ التهذيب بمحكم الترتيب میں یہ سارے اقوال یکجا ملتے ہیں۔ مثلاً ابن منظور نے لسان العرب میں لفظ قبط کے تحت زبیدی کی کتاب لحن العامہ کے حوالہ سے لکھا ہے[۷] "ويقولون لبعض البقول القَنبيط ،قال ابو بكر والصواب قُنبيط بالضمّ واحدته قنبيطه قال :وهذا ليس من امثلة العرب لأنه ليس فى كلامهم فُعَلّيل "بعض سبزیوں کو لوگ قنبیط کہتے ہیں، ابوبکر نے کہا یہ صحیح نہیں، درست ہے قنبیط ضم کے ساتھ جس کا مفرد قنبیطۃ ہے اور یہ عربی قیاس کے مطابق نہیں، کیوں کہ کلام عرب میں وزن فُعلیل نہیں۔

یہی اقتباس التہذیب میں مزید وضاحت کے ساتھ اس طرح ہے "و حدّثنا ابو على رحمه الله عن ابى دريد عن عبد الرحمن عن الاصمعى أنه قال :لقيت شيخنا على حمار له جمة قد تمغها بالورس فكأنها قنبيطة و هو يترنم ""ہم سے ابو علی نے ان سے ابن درید نے، ان سے عبدالرحمٰن نے ان سے اصمعی نے بیان کیا: کہ مجھے ایک بڑے میاں گدھے پر سوار ملے جس کے سر میں بالوں کی ایک چوٹی گندھی تھی انھوں نے اسے زعفران سے رنگا ہوا تھا، ایسا لگتا تھا جیسے وہ قنبیط ہو، وہ گا رہے تھے" اسی طرح شہاب الدین الخفاجی نے شفاء الغلیل صفحہ ۵۲ میں لکھا ہے



اشترت الدابة خطأ والصواب اجترت الدابة قاله الزبيدى، یہی قول التہذیب میں پوری ضاحت سے اس طرح آیا ہے: و يقولون اشترت الدابة ،قال ابوبكر :والصواب اجترت وهو أن تجتر ما فى بطنها من الثميلة ،يقال لا افعل ذلك ما خالفت حيرة درة واختلافهما ان هذه تستعمل و حذه تعلو "[۸] لوگ کہتے ہیں اشترت الدابة جو درست نہیں، صحیح ہے اجترت الدابة جیسا کہ ابوبکر زبیدی کہتے ہیں: اجترار جانور کی جگالی کو کہتے ہیں، اسی سے بولا جاتا ہے[۹] ماخالفت جِرة درة، مطلب یہ ہے کہ ایک نیچے ہونا اور دوسرے کا اونچا ہونا واقع نہیں ہوا، اسی طرح الصفدی نے اپنی کتاب ت تصحيح التصحيف و تحرير التصريف میں لحن العامۃ کے حوالے سے بہت سے اقوال نقل کیے ہیں جن میں تقریباً ۱۷۸ اقوال مطبوعہ نسخوں میں موجود نہیں البتہ وہ التہذیب میں تمام کے تمام موجود ہیں، لحن العامۃ کے مطبوعہ نسخے اور التہذیب کا تقابلی مطالعہ کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ لحن العامۃ میں زبیدی کی لغوی تحقیقات تبصرے ۲۴۷ ہیں جبکہ التہذیب میں یہی تعداد ۴۴۳ تک پہونچ جاتی ہے، جس میں سے پہلی کتاب میں ۲۴۹ اور دوسری میں جو پہلی پر استدراک کی حیثیت رکھتی ہے ۱۹۴ اقوال ہیں، گویا لحن العامۃ کے مطبوعہ نسخے میں کم از کم ۱۹۶ اقوال نہیں پائے جاتے، اسی طرح شواہد کا معاملہ ہے، مطبوعہ کتاب میں قرآن کی ۱۱ آیتیں استدلال میں پیش کی گئی ہیں، جبکہ التہذیب میں ان کی تعداد ۲۲ ہے۔ حدیث کے شواہد مطبوعہ کتاب میں ۲۹ ہیں، التہذیب میں ۴۷، امثال واقوال عرب مطبوعہ نسخے میں ۱۰ تک پہنچتے ہیں، التہذیب میں ۴۰ ہیں۔ مطبوعہ نسخے میں عربی اشعار سے ۲۶۵ جگہ استشہاد کیا گیا ہے۔ جبکہ التہذیب محکم الترتیب میں یہ استشہادات ۳۶۱ تک ہیں۔

اس کتاب مذکورہ کا نیا مخطوطہ جس پر ہم نے کام کیا ہے، شستر بٹی کی لائبریری کی ملکیت ہے۔ وہ ۱۸۸ صفحات اور ۹۴ اوراق پر مشتمل ہے۔ ہر صفحہ میں تقریباً ۱۹ سطر ہیں۔ مخطوطہ واضح، جلی اور صاف طور پر پڑھے جانے کے قابل ہے۔ اس کی تحقیق کے ساتھ ہی ہم نے حواشی میں دوسرے نسخوں سے تقابل بھی کیا ہے۔

●

## مراجع

۱۔ مجلہ کلیۃ الآداب والعلوم [illegible] ۱۹۵۹ء

۲۔ڈاکٹر مطر، عبدالعزیز فی النقداللغوی قطر ۱۹۸۰ء

۳۔دیکھا جائے ابن خیر اندلسی اشبیلی متوفی ۵۷۵ھ فہرست مارواہ شیوخہ بیروت ۱۹۷۸ء

۴۔ابن شہید اندلسی، احمد بن عبدالملک (متوفی ۴۲۶ھ) التهذيب بمحكم الترتيب، چسٹر بٹی لائبریری کے مخطوطہ کا فوٹو

۵۔الزبیدی، ابوبکر لحن العامة، تحقیق ڈاکٹر عبدالعزیز مطر، القاہرۃ ۱۹۸۱ء

۶۔اللخمی ابن ہشام (متوفی ۵۷۷ھ) المدخل الى تقويم اللسان، تحقیق ڈاکٹر صالح حاتم ضامن، شائع شدہ مجلہ المورد ۱۹۸۱ء

۷۔ابن منظور لسان العرب، بیروت ۱۹۶۸ء

۸۔الخفاجی شہاب الدین متوفی ۱۰۶۹ء شفاء الغليل فيما في كلام العرب من الدخيل، القاہرۃ ۱۹۵۲ء

۵۔الصفدی صلاح الدین متوفی ۷۶۴ھ تصحيح التصحيف و تحرير التحريف تحقیق سید الشرقاوی طبع قاہرہ ۱۹۸۷ء

❀❀❀

# دعا

عطا عابدی

حلقہ ظلمت فشاں سے دے رہائی اب مجھے
اپنے دامان ترحم میں چھپا اے رب مجھے
جس میں ہو تیری رضا وہ بات ہی بولوں سنوں
بخش دے اے قادر مطلق وہ گوش و لب مجھے
چادر اتنی دے کہ میں اپنا سراپا ڈھک سکوں
دے ہنر ایسا کہ راس آئے مرا منصب مجھے
آزمائش ہر قدم پر، امتحاں ہے ہر گھڑی
زندگی کرنے کا اے مولا سکھا دے ڈھب مجھے
غم ہی غم مجھ کو ملا ہے اس کا کوئی غم نہ ہو
ہو عطا صبر و تحمل کی وہ تاب و تب مجھے
تو نے دی توفیق تو تجھ سے مخاطب ہے عطا
ورنہ تیری حمد کا ہے ہی سلیقہ کب مجھے

❀



مذاہبِ عالم

# ہندو دھرم (۱)

انیس احمد فلاحی

## لفظ ہندو کی تحقیق

لفظ ہندو کے متعدد معانی آتے ہیں۔

(۱) دریائے سندھ کی جانب نسبت کر کے اس دریا کے آس پاس بسنے والوں کو سندھو کہا جاتا تھا، سنسکرت اور فارسی میں "س" اور "ہ" کا بدل ہو جاتا ہے مثلاً ہفت اور سپت یا سوریہ اور ھوریہ۔ سندھو اور ہندو، یا سوما اور ہوما یا ماہ اور ماس وغیرہ۔ چنانچہ آریوں کا جو پہلا گروپ ہندوستان آیا انھوں نے سندھو ندی جو ایران اور ہند کی سرحد پر پڑنے والی پہلی ندی ہے کو ہندو کہا اور اس سندھو ندی کے پار جتنے لوگ بستے تھے انھیں ہندو کہا۔

(۲) ہندو فارسی لفظ ہے جس کے معنی سیاہ کے ہیں چنانچہ حافظ شیرازی کا شعر ہے ۔

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دلِ مارا
بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا

اگر وہ شیرازی معشوق ہمارے دل کو تھام لے تو میں اس کے سیاہ تل کے عوض سمرقند و بخارا کے علاقے بخش دوں۔

ہندوستان کی اصل آبادی چونکہ سیاہ فام تھی اس لیے آریہ انھیں ہندو کہتے تھے اور اپنے لیے آریہ کا لفظ استعمال کرتے تھے چنانچہ رگ وید سے لیکر منو سمرتی کے زمانے تک آریوں نے اپنے آپ کو لفظ ہندو سے بچایا چنانچہ ویدیا سمرتی میں ہندو لفظ آریہ قوم کے لیے قطعاً نہیں بولا گیا ہے بخلاف اس کے انھوں نے اپنے سفید رنگ ہونے پر جابجا فخر کیا ہے جیسا کہ وید کے گیتوں سے ثابت ہے اور جب پنجاب و سندھ کا علاقہ مفتوح ہو کر ایران کی اشکانی سلطنت کا ایک حصہ بن گیا تو ہندوستان والوں کے لیے عام طور پر لفظ ہندو استعمال ہونے لگا۔

(۳) فارسی میں ہندو کے ایک معنی غلام کے بھی آتے ہیں۔ اس ملک میں عام طور سے لوگ کانوں میں چھوٹی چھوٹی بالیاں پہنا کرتے تھے لوگ جب باہر سے یہاں آئے اور یہ بالیاں دیکھیں تو انھیں خیال ہوا کہ شاید یہ غلام ہیں کیوں کہ ان کے یہاں امتیاز کے طور پر یہ غلاموں کا نشان سمجھا جاتا تھا۔

# ہندو دھرم کی اصطلاحی تعریف

ہندو دھرم میں کسی متفق علیہ عقیدہ اور اصول نہ ہونے کی بنیاد پر ہندو محققین بھی اس کی کوئی معین تعریف نہ کر سکے۔

مہاتما گاندھی لکھتے ہیں "پرامن طریقہ سے حق کی جستجو کا نام ہندو مت ہے۔ آدمی خدا کو مانے بغیر بھی اپنے آپ کو ہندو کہہ سکتا ہے۔ ہندو مت حق کی جستجو کا دوسرا نام ہے۔ ہندو مت حق و صداقت کا مذہب ہے۔ حق ہمارا خدا ہے ہمارے یہاں خدا سے انکار کی مثالیں موجود ہیں لیکن حق سے انکار کی کوئی مثال نہیں۔"

مہاتما گاندھی نے حق اور امن کے الفاظ استعمال کئے ہیں لیکن بہت سے مشہور مانے ہوئے ہندو کہتے ہیں گاندھی جی نے امن یا عدم تشدد کا جو مفہوم سمجھا ہے وہ ہندو مت کا کوئی لازمی جزء نہیں اور اس کے لیے حق ہی ایک چیز رہ جاتی ہے۔ اور ظاہر ہے یہ کوئی معین تعریف یا مفہوم نہیں ہے۔ (تلاش ہند ج اص) وزیر اعظم پنڈت نہرو نے ہندو دھرم کی تعریف اس طرح کی ہے۔

"بلحاظ عقیدہ ہندو ازم غیر متشکل پہل دار اور ہر شے برائے ہر کس ہے۔ اس کی تعریف متعین کرنا سخت دشوار ہے بلکہ مروج معنوں میں اسے دیگر ادیان کی طرح اس کو مذہب کہنا بھی مشکوک ہے اس نے ماضی میں بھی اور حال میں بھی ارفع و ادنی اور کبھی کبھی تو متضاد رسوم و افکار کو گلے لگایا ہے اس کی اصل روح 'زندہ رہو اور رہنے دو' میں پوشیدہ ہے۔"

مذکورہ بالا تعریفوں کی روشنی میں ہندو دھرم کی یوں تعریف کی جا سکتی ہے: ہندو مذہب ایک مشرکانہ مذہب ہے جسے ہند کی اکثریت مانتی ہے اور جس کی تشکیل پندرہویں صدی قبل مسیح سے لیکر موجودہ دور تک ہوتی رہی۔ یہ ایک اخلاقی، روحانی اور ہمہ گیر جامع نظام حیات کا حامل مذہب ہے۔ مختلف خداؤں پر یقین رکھنے والا ہر عمل اور علاقہ کا جدا جدا خدا کا قائل مذہب ہے۔

ہندو دھرم کو قدیم زمانے میں برہمنی مت، آریہ دھرم اور سناتن دھرم بھی کہا جاتا تھا اس مناسبت سے لفظ برہمن اور آریہ کی تحقیق ہدیہ قارئین کی جا رہی ہے۔

## آریہ کی وجہ تسمیہ

آریہ سنسکرت زبان کے مصدر "آر" سے مشتق ہے جس کے معنی کاشتکاری اور زمین



ہلانے کے ہیں لہذا آریہ کے معنی کاشتکار ہوئے۔ بابل و نینوی کی آسوری زبان میں آری کے معنی جتے ہوئے کھیت یا کاشت شدہ زمین کے آتے ہیں اور بنجر زمین کو لا آری کہتے ہیں۔ اس ملک کی کوشی زبان میں ارارا کے معنی فصل کے کاٹنے کے آتے ہیں۔

آر، چمڑے سینے کے اوزار اور بیل ہانکنے کے ڈنڈے کو بھی کہتے ہیں جس کے سرے پر ایک نوک دار کیل لگی ہوتی ہے اس طرح آریہ کے معنی چمڑا سینے اور بیل ہانکنے والا ہوئے۔ اس ملک کے قدیم باشندے چونکہ فن کاشتکاری سے ناواقف اور شکار پر گزران کرنے والے تھے لہذا وہ اناریا یا غیر آریہ کے نام سے موسوم ہوئے چونکہ یہ غیر آریہ سیاہ فام، پست فطرت، چپٹی ناک والے، کم ہمت اور چھپ چھپ کر حملہ کرنے والے تھے لہذا قدرتی طور پر لفظ آریہ میں روشن چہرہ، اونچی ناک والے۔ بلند حوصلہ اور شریف کا مفہوم پیدا ہو جانا چاہئے تھا چنانچہ یہ لفظ ان معنوں میں استعمال ہونے لگا۔

آریہ جو ہندوستان میں آئے وہ کاشتکار تھے اسی بنا پر انھیں آریہ کہا جاتا تھا اس کی سب سے اہم دلیل ویدوں میں جابجا کاشتکاری اور اس کے متعلقات کا ذکر پایا جاتا ہے۔ یجر وید کا ایک گیت ملاحظہ ہو: "اے انسانوں تم ہلوں کو جوے میں لگا کر کھیتی کی خاطر زمین کو اچھی طرح جوتو اور اس کو اچھی طرح جوت کر اس میں جو وغیرہ اناج بوو۔ جو محنت کرنے والا کاشتکار ہے اس کو چاہئے کہ بیلوں کے ذریعہ ہل میں پھال لگا کر زمین کو جوتے۔"

## برہمن کی وجہ تسمیہ

آریوں کا یہ عقیدہ ہے کہ برہما نے انھیں اپنے منہ سے پیدا کیا ہے جو انکے بارگاہ الہی میں مقرب ہونے کی دلیل ہے۔ لہذا صرف انھیں ہی برہما کے دین کی تشریح و توضیح کا حق حاصل ہے۔ چنانچہ برہما کی جانب نسبت کر کے انھیں برہمن کہا جاتا ہے یعنی وہ طبقہ جو برہما کے دین کا محافظ و مبلغ ہے۔

نیز لفظ براہمن "برہ ورد ھنے" مادہ سے مشتق ہے اس لفظ کے معنی ہیں تفصیل یا یجیہ اور چونکہ برہمن کے توسط کے بغیر کوئی بھی یجیہ (قربانی) نہیں کی جا سکتی اس لیے انھیں برہمن کہا جاتا ہے۔

برہمن کی ایک اور وجہ تسمیہ بیان کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ برہمن چونکہ ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ دیگر انبیاء کرام کی رسالتوں کے منکر ہیں اور صرف آپ کی نبوت کے قائل ہیں اس مناسبت

سے انھیں برہمن کہا جاتا ہے یعنی وہ لوگ جو صرف رسالت ابراہیمی کے ماننے والے ہیں۔ اس
میں ابو الفضل السکسکی لکھتے ہیں:

"و سموا براهمه لإقرارهم بالله تعالى وتكذيبهم بالوسائط وهم
الرسل إلا إبراهيم عليه السلام فإنهم يقولون برسالته فسموا لذلك
براهمة" (البرهان في معرفة الاديان :٨٧) ذات باری کے اقرار اور ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ دیگر رسولوں کی تکذیب کی بنا پر ہی انھیں برہمن سے موسوم کیا گیا۔

## ہندو دھرم کی مختصر تاریخ

ہندو دھرم ایک قدیم مذہب ہے جس میں غیر ملکی حملہ آوروں سے میل جول کے نتیجے میں اہم تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ ہندو دھرم کے ارتقائی مراحل کو اس کی تاریخ جانے بغیر صحیح طور پر سمجھنا دشوار ہے لہٰذا ذیل میں ہندو دھرم کا مختصر تاریخی خاکہ پیش کیا جا رہا ہے۔

### ۱۔ آریوں کی آمد (۲۰۰۰ ق م-۱۵۰۰ ق م)

دو ہزار قبل مسیح کے لگ بھگ آریہ ہندوستان میں آئے اور ایک عرصہ تک وہ ملکیوں سے لڑائی بھڑائی میں مصروف رہے لیکن پھر بھی وہ سندھ سے آگے نہ بڑھ سکے۔

آریہ کون تھے؟ کہاں سے آئے؟ اس سلسلے میں بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ یہ یورپ سے آئے۔ جبکہ بعض دیگر محققین انھیں دریائے جیحون کا باشندہ مانتے ہیں جو تلاش رزق کی خاطر یورپ اور ایران سے افغانستان ہوتے ہوئے سندھ میں داخل ہوئے ایک تیسری رائے یہ ہے کہ ان کا اصل مسکن ایران ہی ہے سندھ کے قرب وجوار میں واقع ایرانی قبائل سندھ میں داخل ہوئے۔ اس رائے کی تاکید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ سنسکرت زبان میں فارسی زبان کے بے شمار الفاظ پائے جاتے ہیں اور تاریخی لحاظ سے یہ بات ثابت ہے کہ ہندوستانیوں نے فارس کی جانب کبھی ہجرت نہیں کی ہے۔ اسی لیے علمائے لغت کا کہنا ہے کہ آریہ و ایرانی ایک ہی علاقہ سے تعلق رکھنے والے لوگ ہیں۔

### ۲۔ ویدی عہد (۱۵۰۰ ق م-۱۰۰۰ ق م)

یہ وہ زمانہ ہے جب آریہ ستلج تک پہونچے اور گنگا جمنا تک بڑھے۔ اس میں انھوں نے اپنی فتوحات کی تکمیل کی اور ملک کے اصلی باشندوں کو بالکل مغلوب و محکوم کر لیا اسی زمانے میں وید تصنیف



...ے اور کورو اور پانچالوں کی جنگ ہوئی۔

## ...ی عہد کی اہم خصوصیات

(۱) مظاہر فطرت اور خصوصاً اگنی، اندر اور سوریہ اور ورون کی پرستش کا رواج

ان میں سے طاقت کا دیوتا اندر اور راستی کا دیوتا ورون خاص ہیں۔ دیوتاؤں کو راضی اور خوش کرنے کے لیے رسومات کی ادائیگی اور قربانیاں کی جاتی تھیں ایسا خیال کیا جاتا تھا کہ کائنات کا نظم قربانیوں کی وجہ سے قائم ہے ایک متن کے مطابق خود کائنات دیوتاؤں کے ذریعہ دی گئی قربانی کے نتیجے میں وجود میں آئی تھی۔

(۲) ذات پات کے امتیازات کا نہ ہونا۔

### ۳۔ عہد عروج (۱۰۰۰ ق م-۳۲۰ ق م)

اس میں آریوں نے اپنی فتوحات کو اور وسیع کیا۔ یہ زمانہ جنگی اور علمی کارناموں سے ممتاز ہے۔ فلسفے کا خاص کر زور ہوا اور ہند کے اصل باشندوں پر اپنا غلبہ و تسلط برقرار رکھنے کے لیے آریوں نے ذات پات کے نظام کو وضع کیا اور اس کے لیے مذہبی بنیادیں فراہم کی گئیں۔ اور ایک ایسی تحریک کا آغاز ہوا جو دنیا میں اب تک عالمگیر ہے یعنی بدھ مذہب کی بنیاد پڑی۔ اس عہد کے خاص اور امتیازی کارنامے یہ تھے۔

۱۔ جنگ وجدل اور فتوحات
۲۔ برہمنوں کی قوت اور ذات کا زور
۳۔ معاشرتی اور علمی ترقی
۴۔ اپنشد یعنی روحانی تعلیم کا ارتقاء

ان تینوں عہدوں میں ہندو دھرم کو برہمنی مت سے ہی تعبیر کیا جاتا ہے کیوں کہ اس وقت تک اس مذہبی روایت میں برہمن طبقہ کو ایک مرکزی حیثیت حاصل تھی اور اس کی ساخت و پرداخت بالکلیہ برہمن طبقہ کے ہاتھوں میں ہوتی تھی۔ برہمنی مت کے اس سنہری دور میں جو مذہبی ادب وجود میں آیا اسے ویدک ادب کہا جاتا ہے۔ اور اس کی مناسبت سے اس دھرم کو ویدک مت بھی کہا جاتا ہے۔

## ۴۔ عہد محکومی (بدھ مذہب کا غلبہ یا ردِ عمل کا دور ۳۲۰ق م تا ۵۰۰م)

یہ مذہب بدھ کا زمانہ رہا ہے اس عہد میں راجہ اشوک اور اس کے جانشینوں کے تعاون سے
بدھ مذہب کا زور و شور رہا، علوم و فنون کو رونق ہوئی، شاعری، صرف و نحو، فنون، نجوم، فلسفہ وغیرہ کی
تالیف و تصنیف کا بازار گرم ہوا۔ برہمنی مت اور اس کے زور کو دبادیا گیا۔ اور ذات پات کے نظام کے
خلاف پر زور آوازیں اٹھائی گئیں۔

اس عہد محکومی میں بدھ مذہب نے ہندو مذہب او ہندوؤں پر درج ذیل اثرات ڈالے ہیں۔

ا۔ طبائع میں خاص نرمی، لینت اور انکسار پیدا ہوا جس کا اثر نہ صرف انسانوں کے باہمی تعلقات پر ہوا بلکہ
بے زبان حیوانوں تک پہونچا۔

۲۔ بدھ سے قبل ہندوؤں کے تمام خیالات اور علوم کا دارومدار ویدوں پر تھا لیکن بدھ کے بعد ان کے فلسفے
اور علوم کا تعلق ویدوں سے بالکل اٹھ گیا یہاں تک کہ جدید برہمنی مت خالص ویدوں کا مذہب نہ رہا بلکہ
ایسے دیوتاوں اور بتوں کی پرستش رائج ہو گئی جن کا ویدوں میں ذکر تک نہیں۔

۳۔ ذات پات کا امتیاز اٹھ جانے سے مختلف فرقوں میں میل جول بڑھ گیا اور مساوات کا خیال پیدا ہوا
اگرچہ ذاتیں قائم رہیں۔

۴۔ گوشت خوری کا رواج اٹھ گیا۔

۵۔ لوگوں میں جنگ جوئی کا مادہ کم ہو گیا۔ (مورتی پوجا اسی دور کی پیداوار ہے اپنے اپنے نجی دیوتاوں کا
تصور عام ہوا پرانی روایتیں قائم رہیں لیکن نئے عناصر بھی در آئے)۔

## ۵۔ برہمنی مت کے دوبارہ عروج اور بدھ مت کے زوال کا عہد
(۶۳۴ء تا ۱۰۰۰ء)

اس عہد کا آغاز قنوج کے اس مناظرہ سے ہوتا ہے جو ۶۳۴م میں برہمنوں اور
بدھسٹوں کے درمیان ہوا۔ جس میں برہمنوں کو بدھ عالموں پر غلبہ حاصل ہوا اور پھر یہ مذہبی تفوق
بڑھتا گیا حتی کہ شنکر آچاریہ (۷۸۸ء تا ۸۲۰م) نے اپنے زور قلم سے بدھ مذہب کا جنازہ نکال دیا۔

## ۶۔ عہد محکومی (مسلمانوں کی آمد)

اس عہد کا آغاز محمود غزنوی کے حملہ سے ہوتا ہے اور مغلیہ سلطنت کے زوال تک یہ عہد



رہا ہے۔ اس عہد میں ہندو مذہب پر اسلام نے درج ذیل اہم اثرات ڈالے ہیں۔

ا۔ ہندو عقائد پر عقیدہ توحید کی چھاپ۔ خالص توحید کا اثر ہندو مت پر کافی نمایاں ہے۔ عقیدہ توحید
سے متاثر ہونے کی بنا پر جب ہندوؤں نے تیزی سے اسلام قبول کرنا شروع کیا تو سنتوں اور سادھوؤں
نے ہندو دھرم کی حفاظت کے لیے بھگتی تحریک (عشق الٰہی پر مبنی پرستش) شروع کی تاکہ عوام کو
اسلام سے دور رکھا جا سکے۔ بھگتی تحریک کے مشہور رہنما درج ذیل ہیں۔
کبیر داس، نام دیو، سنت روی داس، جے دیو، رامانند (۱۳۶۰ء) دھنا، پی پا ساد ھنا، بینی وغیرہ۔

۲۔ کھانے پینے، رہنے سہنے، اور دوسرے عام معاشرتی طریقوں میں ترقی دی۔

۳۔ بے ہودہ رسوم اور توہمات کا زور کم کیا۔

## ۷۔ یورپی عہد (اٹھارہویں صدی سے بیسویں صدی تک)

انگریزوں نے یہاں آتے ہی عیسائی مشنریوں کو کھلی آزادی دے دی جنھوں نے گھوم گھوم
کر عیسائیت کی تبلیغ شروع کی جس سے ہندوؤں میں بھی تبلیغ اشاعت دین کا شوق پیدا ہوا حتی کہ آریہ
سماج کے بانی دیانند سرسوتی آئے جنھوں نے مسلمانوں اور عیسائیوں کو ہندو مت میں دوبارہ داخل
کرنے کے لیے شدھی سنگھٹن تحریک چلائی جس کے خاصے اثرات بھی پڑے۔ انگریزی عہد میں سب
سے اہم چیز ہندو احیاء پرستی کا آغاز ہے۔ انگریزوں نے ہندوستانی مذاہب اور رسوم و رواج پر کھل کر
تنقیدیں کیں ان میں موجود توہم پرستی اور غیر معقول رسموں کو خوب اچھالا جس سے ہندوؤں کی
غیرت دینی بیدار ہو گئی اور مرور ایام کے ساتھ ساتھ اس میں مزید شدت آتی گئی۔

آریہ اور برہمنی تمدن پر اندر اور باہر سے مختلف اور متعدد حملے پانچویں صدی قبل مسیح سے
لے کر اٹھارہویں صدی عیسوی تک ہوتے رہے۔

ا۔ ایرانیوں نے پانچویں صدی قبل مسیح میں اس ملک پر حملہ کیا۔

۲۔ یونانیوں نے چوتھی صدی قبل مسیح میں یورش کی۔

۳۔ اس کے بعد اہل باختر کے حملے تیسری یا پانچویں صدی تک ہوئے۔

۴۔ پانچویں صدی ق م میں بدھ مت کا بڑا حملہ برہمنی مذہب اور تمدن پر ہوا۔

۵۔ غیر آریہ اقوام ہند اور نیچ اقوام کے حملے خصوصاً غیر آریائی سلطنتوں کی طرف سے

ساتویں اور آٹھویں صدی میں۔

۶۔ادنی اعتقادات اور وحشیانہ رسوم کی برہمنی مذہب سے کشمکش۔

۷۔ مسلمانوں کے حملے گیارہویں صدی سے اٹھارہویں صدی تک۔

۸۔انگریزی حملے۔

لیکن نہ ایرانی اس کا کچھ کر سکے اور نہ یونانی، نہ بدھ مذہب قائم رہا اور نہ غیر آریا اقوام۔ یہاں خود بخود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سی بات ہے جس سے آریہ ان تمام مخالف اثرات پر غالب آئے اور باوجودے کہ اس کی اکثر ہم عصر قومیں دنیا سے مٹ گئیں لیکن وہ اب تک قائم ہے۔ اور ان کی تہذیب وتمدن زندہ اور باقی ہے۔ اس کے بڑے اسباب یہ ہو سکتے ہیں

۱۔ان کی رواداری۔ ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کے بقول "اس کی اصل روح 'زندہ رہو اور رہنے دو' میں پوشیدہ ہے۔

۲۔ان کا مضبوط نظام تمدن

۳۔ہندو رشیوں کی روحانی اور علمی ریاضت۔

۴۔ان کی عورتوں کی وفاداری اور جاں نثاری۔

## ہندوازم اور دوسرے بڑے مذاہب میں فرق

ہندوازم اور دوسرے بڑے مذاہب عالم میں تین اہم فرق ہیں۔

۱۔ہندوازم کا کوئی موجد نہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ ہندو مذہب کیسے اور کب وجود میں آیا؟ اس کی کوئی تاریخ پیدائش نہیں۔ ہزارہا سالوں میں اس نے بتدریج اپنے ارتقائی مراحل طے کیے ہیں۔

۲۔ہندوازم میں ایسا کوئی عقیدہ نہیں جس کی پیروی سب پر لازم ہو۔ اس میں کوئی متفق علیہ اصول یا فلسفہ بھی نہیں ہے۔

ایک غیر ادارتی مذہب ہے ہندو ادارے تو یقیناً ہیں لیکن خود ہندوازم کوئی ادارہ نہیں ہے اس میں اس کے معتقدین کی ایسی کوئی جماعت نہیں ہے جو کسی ایک خاص قسم کی عبادت کرے یا کسی عام ضابطہ اخلاق کے مطابق زندگی گذارے۔

●



# فقہ وفتاوی

ابوارقم فلاحی

**سوال** : کیا قبر پر مٹی برابر کرنے کے بعد اس پر پانی کا چھڑکاؤ کرنا درست ہے ؟

**جواب** : قبر پر اس کی مٹی کو اڑنے اور منتشر ہونے سے بچانے کے لیے پانی کا چھڑکاؤ کرنا مستحب و مسنون ہے۔ سعد بن معاذؓ کی قبر پر آپ ﷺ نے پانی کا چھڑکاؤ کیا تھا۔ سنن ابن ماجہ میں ہے: "قال ابو رافعؓ : سل رسول اللہ ﷺ سعدا ورش علی قبرہ ماء۔ ابو رافعؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے سعد بن معاذؓ کی نعش کو آہستگی سے قبر میں اتارا اور آپ کی قبر پر پانی کا چھڑکاؤ کیا۔

**سوال** : شادی کے بعد ولیمہ کرنا کیسا ہے ؟

ولیمہ کرنا سنت اور مسنون ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت زینبؓ سے نکاح کے بعد ایک بکری کا ولیمہ کیا تھا۔ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا : "اولم ولو بشاۃ" ولیمہ کرو خواہ ایک بکری ہی کا کیوں نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ نہ صرف ولیمہ کرنا سنت ہے بلکہ اس میں اہتمام کرنا اور استطاعت کی صورت میں اس کو بڑے پیمانہ پر کرنا مسنون ہے البتہ عدم استطاعت کی صورت میں مٹھائی وغیرہ ہی سے ولیمہ کیا جاسکتا ہے۔ خیبر سے واپسی کے وقت آپ ﷺ نے حضرت صفیہؓ سے شادی کی، حضرت ام سلیمؓ نے انھیں آپ ﷺ کے لیے آراستہ کیا اور انھیں آپؐ کے پاس رخصت کر دیا۔ آپ ﷺ نے دولھے کی حیثیت سے ان کے ہمراہ صبح کی اور کھجور، گھی اور ستو سان کر ولیمہ کھلایا اور راستے میں تین روز شبہائے عروسی کے طور پر ان کے یہاں قیام فرمایا۔

(صحیح بخاری ۱؍۵۴)

**سوال** : کیا باپ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی کنواری لڑکی کی شادی اس کی رضامندی کے بغیر کر دے نیز لڑکی سے اجازت لینے کے لیے غیر محرم افراد کا گھر کے اندر جانا کیسا ہے ؟

بالغ کنواری لڑکی کی شادی اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے : البکر یستأذنہا ابوھا" کنواری لڑکی سے اس کے والد اجازت طلب کریں گے۔ یہ رائے امام ابو حنیفہؒ، امام ثوریؒ، اوزاعی، ابو ثور اور متعدد فقہائے کرام کی ہے۔

(بقیہ صفحہ ۵۹ پر)

# تعارف وتبصرہ

نام کتاب: مجربات تکمیلی

مصنف: حکیم جلال الدین تکمیلی

مبصر: افتخار الحسن ندوی

ملنے کا پتہ: شمیم بابو حکیم جلال الدین تکمیلی، آدرش نگر کالونی، محمد واڑی روڈ، سید نگر ہڑپ سر، پونہ۔ ۲۸

صفحات: ۱۱۲، تقطیع: متوسط۔ کاغذ: عمدہ۔ طباعت: معیاری۔ جلد: خوبصورت

قیمت: ۵۷ روپئے

یونانی طریقہ علاج نے صدیوں انسانی صحت وزندگی کی بے بہا خدمت انجام دی ہے صحت و تندرستی کی نگہداشت، آلام وامراض سے بچاؤ اور اس کے ازالہ کی تدابیر، مرض کی تشخیص اور صحت و تندرستی، قوت وطاقت کی از سر نو بحالی میں اس نے وہ مسیحائی کردار ادا کیا ہے کہ معالجات کی دنیا میں آج بھی اس کے محیر العقول کارناموں کی گونج باقی ہے، اور دوسرے طریقہ علاج کے ماہرین خصوصاً انگریزی دواؤں کے بوجھ یا کثرت استعمال کی وجہ سے زندگی کی حقیقی لذتوں سے محروم اشخاص عموماً یونانی طریق علاج کی بے ضرر ہمہ جہتی افادیت کے معتقد و معترف ہیں۔ اور اس کی جانب ان کے میلان ورجحان میں دن بہ دن اضافہ ہو رہا ہے لیکن اصل دشواری یہ ہے کہ یونانی معالجین نے اس طریقہ علاج کو دور جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ بنانے کے ضرورت کو چنداں محسوس نہیں کیا۔

خوشی کی بات ہے کہ ایک قابل وفائق اور تجربہ کار حکیم جناب جلال الدین تکمیلی کو اللہ نے توفیق بخشی کہ انھوں نے انسانی زندگی کے جسمانی نظام کو نئی قوت بہم پہنچانے کے لیے ایک ایسی قرابا دین تیار کی ہے جو ہر اعتبار سے دور جدید کی ضرورتوں اور تقاضوں سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے مختلف امراض کے ۲۳۵ نسخے ایسے درج کیے ہیں جن کے اجزاء قلیل، جن کا حصول آسان اور ان کو تیار کرنا اور استعمال میں لانا بھی ہر طرح آسان ہے۔ بعض پیچیدہ امراض میں



جوشاندہ تیار کرنے کی زحمت ضرور ہے لیکن ان کا بدل بھی دے دیا گیا ہے۔

ان تمام خصوصیات کے باوجود یہ تمام نسخہ جات انتہائی مفید اور نفع بخش اور قلیل الاجزا ہونے کی وجہ سے انتہائی ارزاں ہیں اس لیے یقین کیا جانا چاہئے کہ یہ کتاب اطباء وڈاکٹر کے علاوہ ان لوگوں کے لیے بھی کارآمد اور لائق استفادہ ہے جو تعلیمی شغل وانہماک کی بدولت دوسرے علوم سے بھی استفادہ کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

یہ کتاب اپنی افادیت واہمیت کے نقطہ نظر سے یقیناً ایک قابل قدر کتاب ہے اور حکیم صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس کوشش کو پذیرائی عطا فرمائے اور اسے قبول عام بخشے تاکہ زیادہ سے زیادہ مخلوق خدا کو اس کا فائدہ پہنچے۔ ●

※

## (بقیہ فقہ و فتاوی)

رشتہ کی پائیداری اور دوام کے اعتبار سے دیکھا جائے تو لڑکی کی اجازت اور رضا ایک ناگزیر ضرورت ہے کیونکہ عدم رضا کی صورت میں ایک پرسکون گھر اور مستحکم خاندان کی تشکیل ممکن نہیں۔

لڑکی سے اجازت کے لیے غیر محرم افراد کا (بے پردگی کی صورت میں) گھر کے اندر جانا ازروئے شریعت حرام ہے۔ اجازت ورضا دروازے کے اوٹ سے حاصل کی جائے گی۔ "و إذاسألتموهن فاسئلوهن من وراء الحجاب." ●

## (بقیہ نعت)

جب سنا یثرب کے لوگوں نے ترے پیغام کو — لے کے آگے وہ [illegible]
ڈھل گئی الفت محبت میں وہ فطرت جنگ جو — [illegible]
طیبہ نگری پر ترا احساں شفیع المذنبیں — ان کے آنے [illegible]
احمدؐ ان کی ذات ہے رحمت سراپا دیکھئے — صورت ان کی سیرت [illegible]
گھر میں ان کو دیکھئے باہر میں ان کو دیکھئے — اپنوں میں غیروں میں ہیں رحمت [illegible]
رنگ میں ان کے ڈھل گیا جو بن گیا ان کا قریں — ان کے آنے [illegible]

●

# نعت

✽ ہفتہ سیرت پاک رحمۃ للعالمین کے موقع پر ۱۴؍اگست ۲۰۰۰ء کو لکھی گئی۔

ابو احمد مطیع اللہ فلاحی

ہر طرف فتنوں سے جب تھی بھر گئی یہ سرزمیں
مفلسی کے ڈر سے بچوں کا ہوا جب قتل عام
ہوگیا انسان تھا دنیا میں بالکل بے لگام
تھی کھڑی انسانیت حیران، ششدر اور حزیں
جان و مال وعزت و ناموس تھا جب داؤ پر
تھے ہلاکت کے کگر پر اس گھڑی اہل جہاں
تک رہی حیرت سے تھی سوئے فلک جب یہ زمیں
جب یتیموں پر مظالم ہورہے تھے روز وشب
جب غریبوں کا کوئی ہوتا نہ تھا پرسان حال
آہیں پہونچیں عرش تک مظلوموں کی اندوہگیں
لٹ رہی تھیں عزتیں اور بِچ رہے تھے بال وپر
ہوگیا انسان غافل جب خدا کو بھول کر
ظلم کے دوپاٹ میں جب پس رہی تھی نازنیں
آکے چرواہوں کو اس نے یوں مہذب کردیا
باہمی الفت محبت کا پڑھایا یوں سبق
جو سراپا تھے خیانت کردیا ان کو امیں
آپ کی آمد پہ جھنجھلایا بہت شیطاں مگر
جس بھی پہلو میں دبی انسانیت کی آگ تھی
ہوگئے بکرؓ و عمرؓ عثمانؓ ان کے خوشہ چیں

بن کے آئے وہ جہاں میں رحمۃ للعالمیں
بچیاں درگور جب کرنے لگا تھا خاص وعام
لمحہ لمحہ گل کھلاتا تھا جب انسانی نظام
بن کے آئے وہ جہاں میں رحمۃ للعالمیں
جب نہ تھا پرساں کوئی پھلیار کھے جو گھاؤ پر
شیطنت تھی خندہ زن ظالم کے ہر برتاؤ پر
بن کے آئے وہ جہاں میں رحمۃ للعالمیں
اور بیواؤں پہ ہوتا ظلم باغیظ وغضب
اور لٹیرے کررہے تھے قافلوں کو جاں بلب
بن کے آئے وہ جہاں میں رحمۃ للعالمیں
کو بکو، کنار رہ، کوچہ، کوچہ، در بدر
پوجتا تھا وہ صنم، شمس وقمر، شجر وحجر
بن کے آئے وہ جہاں میں رحمۃ للعالمیں
ہر تہی داماں کا دامن نورِ حق سے بھر دیا
خاک کی چٹکی کو ہمدوش ثریا کر دیا
بن کے آئے وہ جہاں میں رحمۃ للعالمیں
دعوت حق لمحہ لمحہ بڑھ رہی تھی بے خطر
بن گئی چنگاری پیغام پیمبر جان کر
بن کے آئے وہ جہاں میں رحمۃ للعالمیں

(بقیہ صفحہ ۵۹ پر)



# جامعہ کے لیل و نہار

ادارہ

## مولانا رضوان احمد صاحب فلاحی کا توسیعی خطاب

مولانا رضوان احمد صاحب فلاحی یو کے اسلامک مشن لندن سے اپنے وطن تشریف لائے تو ۲۲؍۷؍۲۰۰۰ء کو ان کے خطاب عام کا پروگرام رکھا گیا موصوف نے قرآن مجید اور مستشرقین کے عنوان پر اظہار خیال فرمایا۔ استشراق کی تاریخ اور اس کے اہداف پر روشنی ڈالی اور مستشرقین کے کیے ہوئے تراجم قرآن کا تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ پیش کیا موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اس کی مفصل روداد ماہ ستمبر کے شمارے میں ہدیۂ قارئین کی جائے گی انشاء اللہ تعالی۔

## مولانا امانت اللہ صاحب اصلاحی کی تذکیر

مولانا امانت اللہ صاحب اصلاحی اپنے وطن بلریا گنج تشریف لائے تو ان کے علم و فضل سے عام استفادہ کی غرض سے ۲۳؍۷؍۲۰۰۰ء کو ان کے خطاب عام کا پروگرام رکھا گیا۔ چونکہ فکری انہماک و استغراق کی وجہ سے مولانا اکثر خاموش رہتے ہیں بنابریں ان کی خاموشیاں بھی فکر کی بلاغت سے معمور ہوتی ہیں اس لیے عوامی نمود کے ہنگامہ آرائیوں میں حصہ لینا ان کی افتاد طبع کے لیے بڑا اذیت ناک معاملہ تھا لیکن طلبہ واساتذہ کے شوق و محبت سے مجبور ہوکر وہ بہر حال آمادہ ہو گئے چنانچہ علم کی اہمیت کے موضوع پر انھوں نے ایسا بلیغ خطبہ دیا کہ بصیرت کی نگاہیں روشن ہو گئیں پھر سوز وگداز میں ڈوبی ہوئی آواز اور جذب دروں کی گرمی سے تپیدہ لہجہ نے عبارت میں جذبات کی وہ بجلیاں بھر دی تھیں کہ شب وروز کی کئی کروٹوں کے باوجود بھی اس کی کیفیت سے لوگ سرشار نظر آئے۔

دوران تقریر آپ نے طلبہ کو درج ذیل نصیحتیں کیں۔

۱۔ جس مقصد کے تحت آپ جامعہ آئے ہیں اسے ہمیشہ پیش نظر رکھیں اور اپنے زیادہ سے زیادہ اوقات حصول علم کے لیے فارغ کریں تاکہ "کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی" کی کیفیت پیدا ہو جائے۔

۲۔ اوقات کو منظم کیجیے روزانہ کا نقشہ بنائیے اور معمولات ایسے ہوں کہ مقصد کے حصول کا جو تقاضا ہو آپ اس کو پورا کر سکیں۔

اساتذہ سے خطاب کرتے ہوئے مولانا نے اس بات پر زور دیا کہ اساتذہ اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ حدود شریعت کا پابند بنائیں کہ

آدمی نہیں سنتا آدمی کی باتوں کو * پیکر عمل بن کر غیب کی صدا بن جا

اسی طرح آپ نے شریعت کے ظاہری مراسم کی ادائیگی پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ جب منصوص کی پیروی ہوگی تو غیر منصوص کا احساس ہوگا ورنہ نہیں۔ اسبال ازار اور داڑھی کی تطویل جیسے منصوص مسائل کو معمولی سمجھنے سے دل مردہ ہو جاتے ہیں اور مزاج میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے "تحسبونه هينا وهو عندالله عظيم" عموماً اسبال ازار (ازار کو گھسیٹنا) کے باب میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ اگر تکبر کی وجہ سے نہ ہو تو جائز ہے اور اس کے لیے حدیث ابی بکرؓ سے استدلال کیا جاتا ہے حالانکہ اس حدیث سے اس کے جواز کا ثبوت بہم نہیں پہنچتا کیوں کہ متعدد صریح احادیث میں اسبال ازار کی ممانعت موجود ہے اور خود اسے ہی تکبر کا شاخسانہ بتایا گیا ہے: "اياك واسبال الازار فإنها من المخيلة" اسبال ازار سے بچو کیوں کہ یہ مخیلہ (تکبر و گھمنڈ) کا شاخسانہ ہے۔ اسبال ازار تو عام طور سے معمولی مسئلہ کہہ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے حالانکہ جابر بن سلیمؓ جب پہلی بار نبی اکرم ﷺ سے ملاقات کی تو آپ نے ان کو جو نصیحت کی تھی اس میں اسبال ازار سے اجتناب کی بات بھی شامل تھی اس مسئلہ کی نزاکت کا آپ اندازہ لگائیں کہ عمر فاروقؓ جاں بلب ہیں ایک انصاری نوجوان اپنے ازار کو گھسیٹتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا" إرفع ازارك فإنه انقى لثوبك و اتقى لربك" اپنے ازار کو اوپر اٹھالو کہ اس سے دل پاکیزہ ہوگا اور اس میں خوف خدا پیدا ہوگا۔

## نو واردان بساط چمن

بحمد اللہ جامعہ اپنے ارتقائی سفر کی منزلیں تیز گامی سے طے کر رہا ہے چنانچہ ہر سال تعلیمی و تربیتی فرائض و واجبات کے نو بہ نو تقاضے سامنے آتے ہیں جن کی تکمیل کے لیے مزید اساتذہ و اتالیق کی ضرورت در پیش ہوتی ہے اس لیے ہر سال ہی چند آزمودہ کار ارباب علم و آگہی کے ذریعہ بعض گوشہ ہائے چمن کی نئی لالہ بندی ہوتی ہے اس سال جامعہ سے منسلک ہونے والے افراد کی تعداد نسبتاً زیادہ ہے۔ دفتر نظامت سے حاصل شدہ معلومات کے مطابق شعبہ اعلیٰ طلبہ میں جناب رئیس احمد صاحب فلاحی کی تقرری عمل میں آئی ہے۔ موصوف نے جامعہ ہی سے عالمیت و فضیلت اور تخصص... لیس کا



کورس مکمل کیا ہے۔ محترمہ شفقت صاحبہ کی تقرری بحیثیت استاذ شعبہ ثانوی کلیۃ البنات میں ہوئی ہے نیز محترمہ تسنیم ضیاء صاحبہ ثانوی سے ترقی کر کے شعبہ اعلیٰ میں جا پہنچی ہیں۔ ان کے علاوہ دفتر امتحان میں آفتاب عالم فلاحی اور مشتاق احمد صاحب، لائبریری میں بک لفٹر کی حیثیت سے جناب نسیم احمد صاحب فلاحی، دفتر نظامت میں احرار احمد صاحب اعظمی اور معید کی حیثیت سے جناب مشتاق احمد صاحب فلاحی (فضیلت ۱۹۹۹ء) اور بحیثیت نگراں دار الاقامۃ کلیۃ البنات محترمہ نور افشاں صاحبہ اور بحیثیت ڈرائیور فیروز احمد خاں اور جناب عبدالباسط صاحب کی تقرریاں عمل میں آئی ہیں۔ ادارہ حیات نو ان تمام حضرات کا خیر مقدم کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام ہی افراد کو حسن و خوبی اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے اور جامعہ کی ہمہ جہتی تعمیر و ترقی میں فعال تعاون پیش کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

## توسیع مسجد کا تکمیلی مرحلہ

مسجد جامعہ کی توسیع کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ تقریباً پایہ تکمیل تک پہنچ چکا ہے۔ توسیع شدہ حصہ کی چھت کے اگلے کنارے کی برجیاں اور منارے جمال و دل کشی کے نظارے پیش کرنے لگے ہیں۔ دیوار و فرش کی تزئین کاری ہنوز جاری ہے۔

## ہم سے وہ بھی جدا ہو گئے

اپنے بعض ذاتی اسباب و موانع کی بنا پر درج ذیل افراد نے جامعہ کی ملازمت سے علاحدگی اختیار کر لی ہے۔ جناب نصیر عالم صاحب فلاحی اور شیخ وحید الدین خاں صاحب نے دفتر نظامت سے، محترمہ ریحانہ صاحبہ نے شعبہ ابتدائی سے، جناب مولانا عبدالحسیب صاحب فلاحی نے دفتر امتحان سے اور جناب راشد صاحب نے لائبریری کی خدمات سے سبک دوش ہو گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور اپنے اپنے مقامات سے جامعہ کی ہمہ جہتی ترقی کے لیے جد و جہد کرنے کی توفیق بخشے۔

## اظہار تعزیت

یہ خبر فلاحی حلقہ میں بڑے ہی غم کے ساتھ سنی جائے گی کہ چند ماہ قبل جناب عبدالاول صاحب فلاحی (فضیلت ۱۹۸۹ء) کے والد محترم اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ موصوف کافی دین دار اور

صوم وصلوۃ کے پابند تھے۔

ایسے ہی یہ خبر بھی ہمارے لیے بڑی غمناک واندوہناک ہے کہ کلیۃ البنات کی معلّمہ تسنیم ضیاء صاحبہ فلاحی اور نسرین صاحبہ فلاحی کی والدہ محترمہ ۲۱/جولائی کو انتقال کر گئیں۔ موصوفہ صوم وصلوۃ کی پابند تھیں، اپنی بچیوں کی تعلیم وتربیت پر خاص نگاہ رکھتی تھیں۔

اسی طرح یہ خبر بھی بڑی تکلیف دہ ہے کہ جناب امتیاز احمد صاحب ساکن بلریاگنج ۲۲/جولائی کو انتقال کر گئے۔ موصوف کا جامعہ سے گہرا لگاؤ تھا اور قلبی تعلق تھا۔ بعد نماز ظہر ڈاکٹر خلیل صاحب کے دروازے پر آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور آبائی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

نیز یہ خبر دیتے ہوئے بڑی تکلیف محسوس ہو رہی ہے کہ مولانا نیاز صاحب فلاحی کے بھتیجے اور جناب اعجاز احمد صاحب (توّاب) کے لڑکے محمد سلیمان مرحوم ۱۹/اگست کو ڈوب کر انتقال کر گئے۔

یہ خبر بھی فلاحی حلقہ میں بڑے ہی رنج وغم کے ساتھ سنی جائے گی کہ حیات نو کے سابق مدیر، جامعۃ الفلاح کے قدیم استاذ جناب مولانا محمد اسماعیل صاحب فلاحی کی والدہ محترمہ اور تحریک اسلامی کے معمر اور بزرگ کارکن جناب مولانا محمد عالم صاحب کی اہلیہ محترمہ صابرہ خاتون صاحبہ ۵/فروری کو انتقال کر گئیں۔ إنا لله وإنا إليه راجعون۔ موصوفہ کافی دیندار اور صوم وصلوۃ کی پابند تھیں، شوہر کی اطاعت شعار اور اسم بامسمی تھیں نیز آپ اپنے بچوں اور بچیوں کی تعلیم وتربیت پر کافی توجہ دیتی تھیں۔ آپ کی تمام اولاد نے جامعہ سے تعلیم حاصل کی ہے جن میں بطور خاص جناب محمد اسحاق صاحب (استاذ جامعہ ملیہ دہلی) محمد احمد صاحب (علیگڑھ شعبہ عربی) محترمہ خالدہ تسنیم صاحبہ، محمد ارشد صاحب اور مولانا اسماعیل صاحب فلاحی نے جامعہ سے سند فراغت حاصل کی ہے۔

اللہ تعالی جملہ مرحومین کی بشری لغزشوں کو معاف فرمائے، انھیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین۔

## دعائے صحت

جامعہ کی دنیائے عقیدت ومحبت میں زلزلہ آگیا کہ پیکر اخلاص ومروّت، مظہر زہد وعبادت، استاذ الاساتذہ جناب مولانا صغیر احسن صاحب اصلاحی مدظلہ العالی پر جمعہ کے روز بارہ بجے فالج کا حملہ ہوا۔ تمام اساتذہ وطلبہ اضطراب وتشویش کے باعث وارفتہ حال نظر آئے۔ مولانا جامعہ کے اسپتال میں ایک شبانہ روز زیر علاج رہے افاقہ نہ ہونے پر اعظم گڑھ لے جائے گئے جہاں آپ ڈاکٹر فرقان صاحب کے یہاں زیر علاج ہیں۔

قارئین حیات نو سے عموماً اور فلاحی برادران سے خصوصاً دعائے صحت کی درخواست ہے۔ اللہ العزیز موصوف کو شفائے عاجلہ وکاملہ عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔